قندِ شیراز

حافظ شیرازی کے منتخب اشعار کا منظوم اردو ترجمہ

احسن مِفتاحی

درسِ تہذیبِ ہنر ہوں مجھے پڑھ کر دیکھیں
لوگ ڈھونڈیں گے کتابوں میں حوالے کتنا

فضا ابنِ فیضی



PdfBy, Misken Mazhar Ali Khan

Cell No, 00966590510687

قندِ شیراز

خواجہ حافظؔ شیرازی کے

۴۳۲ منتخب اشعار کا منظوم اُردو ترجمہ

احسن مفتاحی

ناشر

مژگاں پبلی کیشنز

"احمد وِلا" ۸۵ بی، توپسیا روڈ، کلکتہ - ۷۰۰۰۳۹

©	:	احسن مفتاحی
بارِ اوّل	:	۱۹۷۶ء
دوسرا ایڈیشن	:	۲۰۰۴ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	پچاس روپے
سرِورق	:	نوشاد مومن
کمپوژنگ	:	تسلیم عارف / ایم این کاشف
گرافکس	:	طلحہ گرافکس، ۲۲/ایچ/۱۱، لنٹن اسٹریٹ، کلکتہ۔۱۴
مطبع	:	کیلی گراف آفسیٹ پرنٹرز، رپن اسٹریٹ، کلکتہ۔۱۶
ملنے کے پتے	:	احسن مفتاحی، ۱۱اے/۱۱اے، پی کے داس لین، رشڑا
		مژگاں پبلی کیشنز، ۸۵ جے، توپسیا روڈ، کلکتہ۔۳۹
		شب خون کتاب گھر، رانی منڈی، الٰہ آباد
		عثمانیہ بک ڈپو، ۴/۱۰۴، لور چیت پور روڈ، کلکتہ۔۷۳

●

QAND-E-SHIRAZ

(Urdu Translation of Persian Couplets of Hafiz Shirazi)

By : Ahsan Miftahi

11A/11A, P. K. Das Lane, Rishra, Hooghly - 712248, ☎ : 2672-4859

وجہِ انتساب اور چند باتیں

۱۹۷۶ء میں "قندِ شیراز" کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کا انتساب میں مدیرِ شاعر جناب اعجاز صدیقی مرحوم کے نام اس لئے کر رہا ہوں کہ وہی حافظ شیرازی کے اشعار کے منظوم ترجمے کو کتابی شکل دینے کے اصل محرک ہیں۔ میری اُردو اگر اُردو کہی جا سکتی ہے تو یہ فارسی کی دین ہے۔ فارسی اُردو کا اصل سرچشمہ ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں ہم طلبہ ایک دوسرے سے فارسی میں بات چیت کرتے تھے اور اس طرح کرتے تھے جیسے فارسی ہماری مادری زبان ہو۔ "دیوانِ حافظ" کا مطالعہ کرتے کرتے میں نے کچھ اشعار کا منظوم ترجمہ کیا۔ جب بیس تیس اشعار کا منظوم ترجمہ ہو گیا تو میں نے ممبئی میں مدیر "شاعر" اعجاز صدیقی مرحوم کو دکھایا۔ وہ اس ترجمے سے اتنے خوش ہوئے کہ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھ سے وعدہ کرایا کہ میں کم از کم حافظ کے تین چار سو اشعار کا منظوم ترجمہ کروں اور کتابی شکل میں شائع کروں۔ چار سو سے زائد اشعار کا ترجمہ ہو گیا تو میں نے جناب قیصر شمیم کے مشورے سے اسے حتمی شکل دی۔ اُنہی دنوں ڈاکٹر راج بہادر اور گوڑ اور جناب متیم الدین فاروقی کلکتے آئے ہوئے تھے۔ میری خواہش تھی کہ اس پر ڈاکٹر راج بہادر گوڑ کچھ لکھیں۔ جناب مظہر انصاری مرحوم مجھے لے کر پارٹی آفس آئے۔ وہاں دونوں ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ متیم الدین فاروقی نے مسودہ مجھ سے جھپٹ لیا اور کہا: "تیرا تعلق علمائے کرام کے خاندان سے ہے اور ہمارا تعلق بھی علمأ کے خاندان سے ہے' اس لئے میں اس پر جو لکھنا ہے' لکھوں گا اور ڈاکٹر راج بہادر گوڑ کو لکھنے نہیں دوں گا۔" متیم الدین فاروقی نے اس پر از خود جو کچھ لکھنا تھا' لکھا۔

کتاب شائع ہوئی تو ملک کے تمام مقتدر اخبارات و رسائل نے اس کی توصیف میں تبصرے کئے۔ "آج کل" اور "نیا دور" نے بہت مثبت تبصرے کئے اور میری بڑی حوصلہ افزائی کی۔ جناب احمد سعید ملیح آبادی کا شکر گزار ہوں کہ رمضان المبارک کے مہینے میں جب کہ جگہ کی بہت قلت ہوتی ہے قندِ شیراز پر تبصرے کے لئے پورا ایک صفحہ عنایت کیا۔ حافظ کے کچھ شعروں کا ترجمہ آنجہانی نریش کمار شاؔد نے بھی قطعات کی صورت میں کیا تھا مگر یہ خودستائی کی بات نہیں بلکہ خودشناسی کی بات ہے کہ میرا ترجمہ نریش کمار شاؔد کے ترجمے سے بدرجہا بہتر ہے مگر معلوم نہیں ڈاکٹر ظ-انصاری نے "بلٹز" میں جھٹ پٹ دو دنوں کے اندر تبصرہ کیا اور لکھا کہ کتاب چھونے کے لائق بھی نہیں اور مفت میں مہنگی ہے۔ یہ ڈاکٹر ظ-انصاری وہی ہیں' جنہوں نے لکھا تھا :

> "میری وہ کتابیں جن میں کمیونزم کی میں نے تائید کی ہے' اپنے آپ کو اس سے الگ کرتا ہوں۔ اب جس قدر بھی جیوں گا اس بوسیدہ نظام جبر کے خلاف لکھوں گا۔ یہ پورا نظام ایک فریب ہے اور کچھ نہیں۔"
>
> (ظل حسین زیدی، ظ-انصاری، ستمبر ۱۹۹۰ء)

ڈاکٹر ظ-انصاری کمیونزم سے تائب ہو کر مذہب کی طرف مائل ہوئے تو عبرت کا نشان بن کر مرے۔ وہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ کنٹھ مالا پہن کر ہری اوم، ہری اوم کرتے کرتے مرے۔ زندگی بھر شراب پی اور عیش و عشرت میں زندگی گزاری مگر اندرونِ خانہ اتنا خراب حال تھا کہ اُن سے بیزار ہو کر ان کے ایک بیٹے نے خودکشی کر لی۔ ایسے آدمی کا تبصرہ کیا اور اس کے تبصرے کی اہمیت کیا؟

میرا ذہن اب شعر گوئی کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیم شاعر خطرۂ کلام ہوتا ہے۔ مسلسل ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے قوتِ گویائی سے بھی محروم ہوں۔ اللہ سے اس کی کوئی شکایت نہیں کیوں کہ بیش تر گناہ زبان ہی سے سرزد ہوتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ "قندِ شیراز" کا پہلا ایڈیشن جس طرح مقبول ہوا تھا' اسی طرح دوسرا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا اور اس کے ناشر نوشاد مومن کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی۔

احسن مفتاحی



شبِ تاریک وبیمِ موج وگردا بی چنیں ہائل
کجا دانند حالِ ماسبکسارانِ ساحلہا

زعشقِ ناتمامِ ما جمال یار مستغنی ست
بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

اگرآں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمر قندوبخارا را

عزم دیدارِ تودارد جان برلبْ آمده
باز گردو یا برآید چیست فرمانِ شما؟

آسائشِ دوگیتی تفسیرایں دوحرف ست
بادوستاں تلطف' بادشمناں مدارا

افتاده ام بکنجِ غم و جز فغان و آه
نے یارِ غمسگارے ونے ہمزباں مرا

حافظا مے خورو رندی کن خوش باش دے
دامِ تزویر مکن چون دیگراں قرآں را

بھنور ہے موج ہے اس پر اندھیری رات کا عالم
کناروں پر جو رہتے ہیں ہمارا حال کیا جانیں

جمالِ یار مستغنی ہے میرے عشقِ کمتر سے
حسیں چہرے کوآب ورنگ وخال وخط کی حاجت کیا

اگر تھامے ہمارے دل کو وہ معشوق شیرازی
سمر قندو بخارا بخش دیں اس کے حسیں تِل پر

تمہاری دید کی خاطر لبوں تک جان آئی ہے
تمہارا حکم کیا ہے؟ لوٹ جائے یا نکل جائے

دو عالم کاسکوں، تفسیر ہے ان دوہی حرفوں کی
تواضع دشمنوں کی، دوستوں کے ساتھ نرمی ہو

پڑاہوں غم کے گوشے میں، بجز آہ و فغاں میرا
نہیں ہے دوست کوئی اور نہ کوئی ہم زباں میرا

حافظؔ ہو غرقِ جام مگر اوروں کی طرح
دنیا کو دے فریب نہ قرآں کے نام پر

جزایں قدر نتواں گفت درجمال تو عیب
کہ خال مہرو دفانیست روئے زیبارا

کشد نقش انا الحق بزر میں خوں
چو منصور را رکشی بردارم اِمشب

درچنیں موسے عجب باشد
کہ بہ بند ند میکدہ بشتاب

جاں دادمش بمژ دہ و خجلت ہمی برم
زیں نقد کم عیارکہ کردم نثارِ دوست

دشمن بقصدِ حافظؔ اگردم زندہ چہ باک
منّت خدائے راکہ نیم شرمسارِ دوست

احرام چہ بندیم کہ آں قبلہ نہ اینجاست
درسعی چہ کوشیم کہ از مردہ صفارفت

ہر نالۂ و فریاد کہ کردم نشنیدی
پیداست نگارا کہ بلندست جنابت

آپ کے حُسن میں کمی کیا ہے
بس یہی کہ وفا و مہر نہیں

زمیں پر خون میرا نقش کھینچے گا انا الحق کا
چڑھادے مجھکو سولی پر اگر منصور کی مانند

ہے عجب بات ایسے موسم میں
بند ہو جَلد بابِ میخانہ

جاں دے تو دی ہے میں نے مگر پھر بھی ہوں خجل
انعام کوئی موزوں نہ قاصِد کو دے سکا

حافظؔ کو قتل کردے عدد کوئی ڈر نہیں
فضل خدا ہے دوست سے شرمندہ تو نہیں

نہیں ہے قبلہ تو کس طرح باندھتے احرام
صفا ہی جب نہیں مردہ میں سعی کیا کرتے

سنئے گا کِس طرح سے بھلا نالۂ و فغاں
ظاہر ہے بارگاہ تو اُونچی ہے آپ کی

می گریم و مرادم ازیں چشمِ اشکبار
تخم محبت ست کہ دَر دل بکار مت

پری نہفتہ رُخ و دیودر کرشمہٴ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجیست

حافظؔ ازباد خزاں درچمنِ دھر مرنج
فکرِ معقول بفر ماگلِ بے خار کجاست

اے مجلسیاں سوزِ دلِ حافظؔ مسکیں
از شمع بپر سید کہ در سوزو گدازست

ماآبروئے فقر وقناعت نمی بریم
باپادشہ بگوی کہ روزی مقدّرست

بحریست بحرِعشق کہ ہیچش کنارہ نیست
آنجا جُزاینکہ جان بسپارند چارہ نیست

مرو اے زاہد و دعوت مکنم سوئے بہشت
کہ خدا درازل ازبہر بہشتم نسرشت

میں روتا ہوں تو اشکوں کے بہانے کا یہ مقصد ہے
کہ بوؤں بیج میں دل میں تیرے اپنی محبت کا

صاحب فن تو ہیں مجوب، ہیں نازاں نااہل
عقل انگشت بدنداں ہے یہ کیا بوا العجبی ہے

خزاں آئی ہے گلشن میں تو رنجیدہ نہ ہو حافظؔ
جہاں پر پھول ہوتے ہیں وہیں کانٹے بھی ہوتے ہیں

حافظؔ مسکیں کے دل میں کتنا ہے سوز و گداز
پوچھنا ہے ہمنشینو تو یہ پوچھو شمع سے

ہم فقر وقناعت کی عزت نہ گنوائیں گے
کہدو یہ شہنشاہ سے رازق تو خدا ہے

محبت کے سمندر کا کوئی ساحل نہیں ہوتا
بجز اس کے نہیں چارہ کہ دیدیں جان ہم اپنی

جاجا اے شیخ دعوتِ جنت نہ دے مجھے
پیدا نہیں ہوا ہوں میں جنت کے واسطے

من بعد چہ سودار قدمے رنجہ کند دوست
کزجاں رمقے درتنِ رنجور نمانده است

بادِ سحر از نافۂ تاتارو زیده است
نے نے غلطم از سرِ کوئے توو زیده است

جُز آستانِ توام درجہاں پناہے نیست
سرِ مرا بجزایں در حوالہ گاہے نیست

مباش درپئے آزارو ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعتِ ماغیرازیں گناہے نیست

مرابکار جہاں ہر گزالتفات نبود
رخِ تو در نظرِ من چنیں خوشش آراست

بیاکہ باسرِ زلفت قرار خواہم کرد
کہ گر سرم برود برندارم از قدمت

زدستِ جورِ تو گفتم زشہر خواہم رفت
بخندہ گفت برد حافظا کہ پائے توبست

کیا فائدہ کہ یار عیادت کو آیا ہے
باقی نہیں ہے جسم میں جب جان کی رمق

چلی ہے نافۂ تاتار سے ہوائے سحر
نہیں نہیں ترے کوچے سے یہ چلی ہوگی

تمہارے در کے سوا دَہر میں پناہ نہیں
سوائے اس کے میری کوئی سجدہ گاہ نہیں

کسی کے درپے آزار مت ہو اور جو چاہے کر
نہیں ہے اس سے بڑھ کر جرم کوئی اپنے مذہب میں

کشش نہیں ہے جہاں میں کوئی بھی میرے لئے
کروں میں کیا کہ تجلی سے ہے تری معمور

اب آ بھی جا کہ زلفوں میں پیمانِ وفا باندھوں
میں سر دیکر بھی لپٹا ہی رہوں گا تیرے قدموں سے

کہا ستم سے جو تنگ آکر کہ چھوڑ دوں گا میں شہر تیرا
تو ہنس کے اس نے کہا کہ حافظؔ تمہارے باندھے ہیں پاؤں کس نے

اے مدعی بروکہ مرا باتو کار نیست
احباب حاضر ندیا با عداچہ حاجت ست

حافظؔ تو ختم کن کہ ہنر خود عیاں شود
بامدعی نزاع و محا باچہ حاجت ست

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار
کس راو توف نیست کہ انجامِ کار چیست

عجب راہیست راہِ عشق ہیہات
کہ چراغِ ہفتمش ہفتم زمیں ست

تو وطوبیٰ وما وقامتِ یار
فکر ہر کس بقدر ہمتِ اوست

گرمن آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہِ عصمت اوست

فقرِ ظاہر مبیں کہ حافظؔ را
سینہ گنجینۂ محبتِ اوست

چلاجا مدعی تجھ سے نہیں کوئی برا جھگڑا
ہیں جب احباب حاضر دشمنوں کی کیا ضرورت ہے

حافظؔ بڑھانہ بات ہنر ہوگا خود عیاں
حاجت ہی کیا ہے لڑنے کی آخر حریف سے

خوشی کے چند لمحوں کو غنیمت جان اے ناداں
کوئی واقف نہیں اس سے کہ کل انجام کیا ہوگا

محبت کا ہے راستہ کچھ عجب
فلک ساتواں، ساتواں ہے طبق

تو ہے طوبیٰ کا عاشق اور میں ہوں یار کے قد کا
مزاج اپنا، پسند اپنی، مذاقِ انتخاب اپنا

ہے دامن میرا آلودہ تو اس میں ہے تعجب کیا
تمہاری پاکدامانی تو دنیا میں مسلم ہے

مرے افلاس پر مت جا میں مفلس ہوں تو کیا حافظؔ
مرے سینے میں پوشیدہ محبت کا خزانہ ہے

آخر زچہ گویم ہست از خود خبرم چوں نیست
از بہر چہ گویم نیست با او نظرم چوں ہست

بادہ نوشی کہ درد ہیچ ریائے نبود
بہتر از زہد فروشی کہ درد رو و ریاست

ایں نہ عیب ست کزیں عیب خلل خواہد بود
وربود عیب چہ شد مردم بے عیب کجا ست

دولتے راکہ بنا شد غم از آسیبِ زوال
بے تکلف بشنو دولتِ درویشاں ست

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتدراز
ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

نازکاں راسفرازِ عشق حرامست حرام
کہ بہر گام دریں رہ خطرے نیست کہ نیست

نظر آتا نہیں لیکن سمایا ہے وہ نظروں میں
وہ ہے موجود یا مفقود یہ کہنا تو مشکل ہے

اگرچہ رند ہوں مجھ میں نہیں کوئی ریاکاری
ارے زاہد میں اچھا ہوں تری تقویٰ فروشی سے

میں اپنے جرم کا ہوں معترف لیکن ذرا کہئے
وہ ایسا کون ہے جو ہے خطا و عیب سے خالی

ممکن نہیں کہ اس کو ہو لاحق غمِ زوال
درویشی ایک ایسا خزانہ ہے باکمال

کون کہتا ہے کہ ہوں گی نہ مرادیں پوری
دینے والا تو ہے چاہنے والا ہی نہیں

مصلحت کا ہے تقاضا راز بے پردہ نہ ہو
ورنہ ایسی بات کیا ہے جس سے ناواقف ہوں رند

کم ہمتوں کے بس کا نہیں عشق کا سفر
ہر گام پہ ہے اس میں مصائب کا سامنا

گفتم کہ حسنِ چہرۂ اوراصفت کنم
اوروئے خودنمود و درِ گفتگو بہ بست

بے مُزد بود و منت ہر خدمتے کہ کردیم
یارب مبادکس را مخدومِ بے عنایت

ساقیا آمدنِ عید مبارکبادت
وآں موا عید کہ کردی نرود ازیادت

زاہد غردر داشت سلامت نبرد راہ
رند ازرہِ نیاز بدارالسّلام رفت

ساقیم خضرست دمے آبِ حیات
توبہ از مے چوں کنم ہیہات ہات

اساسِ توبہ کہ در محکمی چوسنگ نمود
ببیں کہ جامِ زجاجی چگونہ اش بشکست

مقامِ عیش میسر نمی شود بے رنج
بلٰی بحکمِ بلابستہ اند روزِ اَلست

توصیف اس کے حسن کی میں کیا بیاں کروں
الٹی نقاب رخ تو زباں بند ہوگئی

خدایا میری خدمت میں غرض شامل نہ تھی کوئی
نہ پیش آئے مگر مخدوم بھی اس بے نیازی سے

ساقیا عید کی آمد ہو مبارک تجھکو
کل کے وعدوں کا بھی کچھ پاس تو کرنا ہوگا

تجھکو زاہد غرور لے ڈوبا
عجز سے رند پاگیا منزل

میرا ساقی خضر ہے اور مے ہے اک آبِ حیات
کس طرح توبہ کروں تو ہی بتا لادے شراب

نظر آتی تھی پتھر کی طرح توبہ جو مستحکم
وہ ٹوٹی بھی تو دیکھو جام سے شیشے کے ٹکرا کر

مقامِ عیش حاصل ہو نہیں سکتا ہے بے محنت
ازل ہی میں تو یہ طے ہوگیا لفظِ بلٰی کہہ کر

سرز فرمانِ خطم گفت مکش تا نروم
ماسرِ خویش زخطش نکشیدیم و برفت

بیار بادہ بخور زآنکہ پیرِ میکدہ
بے حدیثِ غفور ور حیم ورحمٰن گفت

صبا اگر گزرے افتدت بکشورِ دوست
بیار نفحۂ از گیسوئے معنبرِ دوست

منِ گدا و تمنائے وصلِ اوہیہات
مگر بخواب بینم جمال و منظرِ دوست

سخنِ عشق نہ آنست کہ آید بزباں
ساقیاے دہ وکوتاہ کن ایں گفت و شنفت

اے کہ از دفترِ عقل آیتِ عشق آموز
ترسم ایں نکتہ بتحقیق ندانی دانست

بدوا جانبِ طبیب مرد
صحتِ عاجل ازطبابتِ اوست

اس نے دیا یہ حکم نہ جاؤ تو رُک گیا
تعمیلِ حکم کردی مگر وہ چلا گیا

پیو شراب کہ خود پیر میکدہ نے کہا
بڑا رحیم ہے، رحمٰن ہے غفور ہے وہ

صبا ہو گزر تیرا کوچے سے اس کے
تولانا ذرا بوئے زلفِ معنبر

ہوشرف باریابی کا حاصل مجھے
خواب میں ہو تو ہو ایسے ممکن نہیں

آجائے جوزباں پہ نہیں کہتے عشق اسے
دے ساقیا شراب کہ یہ قصہ پاک ہو

محبت کا تعلق عقل سے ناداں نہیں ہوتا
خرد والے رموزِ عشق سمجھیں ہیں نہ سمجھیں گے

علاجِ غم دواؤں سے نہ ہوگا
مسیحائی تو اس کے ہاتھ میں ہے

من اگر نیکم اگر بد تو برد خود را باش
ہر کسے آں دَرود عاقبتِ کارکہ ِکشت

خموش حافظؔ وایں نکتہ ہائے چوں زرِ سرخ
نگاہدار کہ قلّابِ شہر صرّاف ست

گوشمع میا ریددریں بزم کہ امشب
درمجلسِ ماماہِ رخِ دوست تمام ست

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظؔ
تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من ست

ایکہ انگشت نمائی بکرم درہمہ شہر
دہ کہ درکارِ غریباں عجبت اہمالیست

درودیش مکن نالۂ شمشیرِ احبا
کایں طائفہ از کشتہ ستانند غرامت

حاشاکہ من از جورو جفائے تو بنالم
بیدادِ لطیفاں ہمہ لطف ست وکرامت

بھلا ہوں یا برا ہوں جو بھی ہوں تو راہ لگ اپنی
مجھے بھی علم ہے اس کا جو بوؤں گا وہ کاٹوں گا

بجانہ بھینس کے آگے تو بین اے حافظؔ
جنہیں شعور نہیں وہ بنے ہیں نکتہ داں

نہ لائے شمع کوئی آج شب کی محفل میں
ہماری بزم میں موجود ہے وہ ماہِ تمام

گناہ پر نہیں قابو کسی کا اے حافظؔ
مگر یہ شرطِ ادب ہے کہ اعتراف کرو

بڑی شہرت ہے سارے شہر میں ذرہ نوازی کی
عنایت آپ کی لیکن غریبوں پر نہیں ہوتی

احباب کے خنجر کا کیجئے نہ گلہ کوئی
یہ قتل بھی کرتے ہیں تاوان بھی لیتے ہیں

میں اور تیرے کرم کا شکوہ بھلا یہ ممکن ہے کس طرح سے
کرم تو پھر بھی ہے کرم تیرا ستم بھی مجھ پر گراں نہیں ہے

چشمِ بیمارت مرا بیمار کرد
جز لبانت نیست درماں الغیاث

احتیاجِ من بوصلِ خویشتن دانستۂ
دوستاں راد ستگیری کن بوقتِ احتیاج

ازیں مرض بحقیقت کجا شفایا بم
کہ از تو دردِ دلِ من نمی رسد بعلاج

چراہمی شکنی جانِ من زسنگ دلی
دلِ ضعیف کہ ہست اوبناز کی چوز جاج

او طبیبِ من من خستۂ بیمار غمش
چہ طبیبے ست کہ بیمار نمی پرسد ہیچ

بیاکہ خونِ دلِ خویشتن بحل کردم
اگر بمذہبِ تو خونِ عاشق ست مباح

شود چوں بیدِ لرزاں سروِ آزاد
اگر بیند قدِ دلجوئے فرّخ

تری بیمار آنکھوں نے مجھے بیمار کر ڈالا
سوا ہونٹوں کے تیرے کوئی درماں ہو نہیں سکتا

میرے دل کی آرزو سے تو، تو ناواقف نہیں
دوستوں کی دستگیری کر بوقتِ اِحتیاج

شفا پاؤں کہاں اپنے مرض کی
دوائے دردِ دل تو تم کرو گے

ارے ظالم تو کتنا سنگدل ہے توڑتا کیوں ہے
مرے کمزور دل کو جو ہے شیشے کی طرح نازک

تمہارے غم میں ہے بیمار اب تو خستہ جاں لیکن
خبر بیمار کی لیتے نہیں اچھے مسیحا ہو

لے، میں معاف کرتا ہوں اب اپنے دل کا خوں
عاشق کا خوں اگر ترے مذہب میں ہے روا

قدِ موزوں اگر فرّخ کا دیکھے
تو کانپے سرو مثلِ بیدِ لرزاں

نسیم مشک تاتاری خجل کرد
شمیم بوئے عنبر بوئے فرّخ

گر نثارِ قدم یارِ گرامی نہ کنم
جو ہر جاں بچہ کارِد گرم باز آید

حافظؔ بکوئے میکدہ دائم بصدقِ دل
چوں صوفیاں بصُفّہ دارا الصفاردو

آں کس کہ بدست جام دارد
سلطانی جسم مدام دارد

چشمِ من کردہ بہر گوشہ رواں سیلِ سرشک
تاسہی سروترا تازہ بآبے دارد

بے معرفت مباش کہ درمن یزیدِ عشق
اہلِ نظر معاملہ با آشنا کنند

عذرے بنہ ایدل کہ تو درویشی واورا
در مملکتِ حسن سرِ تاجوری بود

نسیم مشکِ تاتاری خجل ہے
معنبر گیسوؤں میں ہے وہ خوشبو

نچھاور گر نہ ہو قدموں پہ تیرے
تو میری جان پھر کس کام کی ہے

جاتا ہے سوئے میکدہ حافظؔ بہ ایں خلوص
رخ سوئے خانقاہ ہو صوفی کا جس طرح

ساغرِ مے جسے مِلا، اسکو
مل گئی حکمرانیِ جمشید

بہاتا ہوں میں سیلِ اشک ہر گوشے میں آنکھوں سے
کہ تیرے سرو جیسے قد میں اس سے آبیاری ہو

اگر تم چاہتے ہو قدر، کچھ جو ہر کرو پیدا
جو ہیں اہلِ نظر کیوں واسطہ رکھیں نکموں سے

دلِ ناداں سمجھتا کیوں نہیں ہے
زمیں سے آسماں کا واسطہ کیا؟

نحوا ہدایں چمن از سرو ولالہ خالی ماند
یکے ہمی روَد و دیگرے ہمی آید

جمیلہ ایست عروسِ جہاں ولے ہُشدار
کہ ایں مخدرّہ در عقدِ کس نمی آید

بیا بمیکدۂ وضعِ قربِ و جاہم بیں
اگرچہ چشم بما واعظؔ از حقارت کرد

نشانِ مہر و محبت رجانِ عاشق جوی
اگرچہ خانۂ دل محنتِ تو غارت کرد

دلاز نورِ ریاضت گر آگہی یابی
چو شمع خندہ زناں ترکِ سر توانی کرد

نماز در خمِ آں ابروان محرابی
کسے کند کہ بخونِ جگر طہارت کرد

جاں می دہم برائے یکے بوسہ از لبش
جاں می بردرواں و زبانم نمی دھد

ہوگا پھولوں سے کیوں چمن خالی
ایک جاتا ہے، ایک آتا ہے

دنیا اگرچہ ایک دُلہن ہے بہت حسین
لیکن کسی کے عقد میں آتی نہیں کبھی

شراب خانے میں آ' دیکھ مرتبہ میرا
بلا سے دیکھیں حقارت سے شیخ جی مجھ کو

نشانِ مہرو الفت سینۂ عاشق میں پائے گا
اگرچہ خانۂ دل تو نے غارت کردیا ظالم

اگر نورِ ایثار سے دل ہو واقف
تو جاں شمع کی طرح قربان کردے

نمازِ عشق پڑھ لینا خمِ ابرو کے سائے میں
مگر یہ شرط ہے خونِ جگر سے تم وضو کر لو

میں اسکے لب کے اک بوسے کی خاطر جان دیتا ہوں
مری جاں لے تو لیتا ہے' زباں دیتا نہیں پھر بھی

گفتم روم بخواب کہ بینم جمالِ یار
حافظ زآہ و نالہ امانم نمی دھد

درِ میخانہ ببتند خدایا مپسند
کہ درِ خانۂ تزویر و ریا بکشا یند

چوں عاشق می شدم گفتم کہ بُردم گوہرِ مقصود
ندانستم کہ ایں دریا چہ موجِ بیکراں دارد

اگرچہ حسن فرد شاں بجلوہ آمدہ اند
کسے بحسن ولطافت بیارِ مانرسد

چناں بزی کہ اگر خاکِ رہ شوی کس را
غبارِ خاطرے از رہگزارِ ارِ مانرسد

دلم کہ مخزنِ اسرار بود دستِ قضا
درش بہ بست وکلیدش بدلستانے داد

محروم اگر شدم زسر کوئے اوچہ شد
از گلشنِ زمانہ کہ بوئے وفا شنید

سوچا تھا، حسنِ یار میں دیکھوں گا خواب میں
حافظ کے آہ و نالہ سے لیکن اماں کہاں

الٰہی ہوگیا جب بند میخانے کا دروازہ
درِ مکرو ریا بھی بند ہوجائے تو ہم جانیں

ہوا عاشق تو سمجھا مل گیا مقصود کا گوھر
ہے اس دریا میں موجِ بیکراں، میں جانتا کب تھا

حسین یوں تو زمانے میں اور بھی ہیں بہت
مگر وہ بات کہاں جو ہمارے یار میں ہے

غبارِ راہ دنیا میں اگر بننا پڑے مرکر
نہ ہو دامن کسی کا رہگزر میں گرد آلودہ

میرا دل جو مخزنِ اسرار تھا، تقدیر نے
اس کے دروازے کی کنجی دیدی ہے محبوب کو

محروم اس کے کوچے سے ہوا میں تو کیا ہوا
بوئے وفا ملی ہے بھلا کس کو دہر میں

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن ست وبس
در بندآں مباش کہ نشنید یا شنید

یکبار نظر بر خمِ ابروش فگندم
صدتیرِ بلا برمن ازآں یک نظر آمد

بارِ غمِ او عرض بہر کس کہ نمودند
عاجز شدوایں قرعہ بنامِ بشر افتاد

گرجاں بدہد سنگِ سیہ لعل نہ گردد
باطینتِ اصلی چہ کندبد گہر افتاد

برسرِ تربتِ ماچوں گزری ہمت خواہ
کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود

معشوق چوں نقاب زرخ برنمی کشد
ہر کس حکایتے بہ تصور چراکنند

دردم نہفتہ بہ طبیبان مدعی
باشد کہ از خزانۂ غیبم دوا کنند

حافظ ہے تیرا کام دعا اور بس دعا
اس کی نہ فکر کہ سنے وہ یا نہ سنے

اس کے خمِ ابر و پر جو ایک نظر ڈالی
بس آنے لگے مجھ پر سو تیر مصیبت کے

ہوا حامل نہ بارِ غم کا کوئی
تو یہ قرعہ بشر کے نام نکلا

اگر سنگِ سیہ جاں دیدے گوہر ہو نہیں سکتا
جو اصلی ہے وہ اصلی ہے جو نقلی ہے وہ نقلی ہے

گزر ہو میری تربت پر تو اس پر فاتحہ پڑھنا
بنے گی اک زیارت گاہ یہ دنیا کے رندوں کی

محبوب گرچہ رخ سے الٹتا نہیں نقاب
پھر بھی بیان کرتے ہیں قصہ اسی کا لوگ

چارہ گروں سے درد چھپایا یہ سوچ کر
ممکن ہے غیب سے وہی میری دوا کریں

پنہاں زحا سداں نجودم خواں کہ منعماں
خیرِ نہاں برائے رضائے خدا کنند

حافظ نہ ترکِ جنتِ فردوس می کند
گردر حریمِ وصلِ توما واش می دہند

بعد ازیں دستِ من و دامنِ آں سروِ بلند
خاصہ اکنوں کہ صبا مژدۂ فرور دیں داد

ساقی بجامِ عدل بدہ بادہ تاگدا
غیرت نیا ورد کہ جہاں پُر بلا کنند

تاصد ہزار خار نمی روید از زمیں
از گلبنے گلے بگلستاں نمی رسد

از برائے دیدنِ دیدارِ گل یارِ عزیز
خواریِ دہقاں و جورِ خارمی باید کشید

نصیبِ ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحقِ کرامت گناہگارا نند

بلالے جلنے والوں سے چھپا کر مہرباں مجھکو
خدا کی راہ میں نیکی چھپا کر لوگ کرتے ہیں

یقیناً چھوڑ دوں گا جنت الفردوس اے حافظ
اگر کوچے میں اس کے مجھکو تھوڑی سی جگہ دیدیں

ہمارا ہاتھ ہوگا اور دامن سر و قامت کا
ہوا کا رخ یہ کہتا ہے وہ دور اَب آنے والا ہے

انصاف کا تقاضا ہے مجھ کو بھی جام دے
ساقی نہیں ہے ورنہ ترے میکدے کی خیر

اگتے ہیں پہلے کانٹوں ہزاروں زمین سے
تب جا کے ایک پھول گلستاں میں کھلتا ہے

پھول کا دیدار کرنے کیلئے اے پیارے دوست
سہنا ہوگا باغباں کا ظلم، کانٹوں کا ستم

جاجا خدا شناس وہ جنت ہماری ہے
ہم ہیں گناہگار تو رحمت ہماری ہے

شہر خالی ست زعشاق مگر کز طرفے
مردے از غیب بروں آیدو کارے بکند

آن شدائے خواجہ کہ درصومعہ بازم بنی
کارِما بارخِ ساقی و لب جام افتاد

در دیست دردِ عشق کہ اندر علاجِ او
ہر چند سعی بیش نمائی بتر شود

دی درمیانِ زلف بدیم رخِ نگار
بر ہیئتے کہ ابر محیطِ قمر شود

بیا بمکیدۂ و چہرہ ارغوانی کن
مرد بصومعہ کآنجا سیاہ کا رانند

قتلِ ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود
ورنہ ہیچ از دلِ بے رحمِ تو تقصیر نبود

صوفیِ مجلس کہ دی جام و قدح می شکست
دوش بیک وقت جرعۂ ے عاقل و فرزانہ شد

ہے خالی شہر گرچہ عاشقوں سے پھر بھی ممکن ہے
نکل کر غیب سے اک مرد کوئی کام کر جائے

ہمیں تو پھر نہ دیکھے گا عبادت خانے میں واعظ
ہمارا واسطہ تو جام اور ساقی کے رخ سے ہے

یہ درد عشق بھی کیسا مرض ہے
دوا سے اور ہوجاتا ہے بدتر

زلف میں اس کا روئے منوّر
ابر میں جیسے مہرِ درخشاں

اگر تو چاہتا ہے سرخروئی میکدے میں آ
نہ جا سوئے حرم ہرگز وہاں تو ہے سیہ کاری

نہ تھا تلوار سے مجھ خستہ جاں کا قتل قسمت میں
ترے بے رحم دل نے تو کسر کوئی نہیں چھوڑی

توڑتا تھا صوفیِ مجلس جو جام و قدح کل
پیتے ہی اک گھونٹ اس کو آگئی فرزانگی

بادہ با محتسبِ شہر ننوشی حافظ
کہ خورد بادہ ات و سنگ بجام اندازد

نگارم دوش در مجلس بعزم رقص چوں برخاست
گرہ بکشود از گیسود بر دلہائے یاراں زد

گرچہ بیداد و جفامی کنداین دلبرِ من
ہمچناں درپےٗ آں دل بوفامی گردد

دا ِ حافظ کہ زا فسونِ لبت ایمن بود
چشمِ جادوئے تواش بارِدگر افسوں کرد

عاشقوں رابر سرِ خود حکم نیست
ہرچہ فرمانِ تو باشد آن کنند

باین شعرِ تر و شیریں زشا نہشہ عجب دارم
کہ سرتا پائے حافظ راچرا در زرنمی گیرد

خاکِ وجود مارا از آبِ بادہ گلِ کن
ویران سرائے دل راگاہِ عمارت آمد

پینا حافظؔ نہ کبھی محتسبِ شہر کے ساتھ
پی کے حصے کی تری جام بھی وہ توڑے گا

مرا محبوب کل شب کو جو اٹھا رقص کی خاطر
گرہ زلفوں کی کھولی اور لگا دی دل پہ یاروں کے

اگرچہ ظلم کرتا ہے مگر پھر بھی توقع میں
دلِ ناداں اسی کے گرد بس چکر لگاتا ہے

دلِ حافظؔ بچا تو تھا ترے ہونٹوں کے افسوں سے
تری جادو بھری آنکھیں دوبارہ کر گئیں جادو

عاشقوں کو خود پہ کچھ قابو نہیں
کرتے ہیں سب کچھ وہ تیرے حکم سے

تعجب بادشہ پر ہے کہ اس شیریں کلامی پر
نہیں مڑھتا ہے سر سے پیر تک حافظؔ کو سونے میں

مرے وجود کی مٹی شراب سے گوندھو
کہ ہونے والا ہے آباد دل کا ویرانہ

نہ ہر درخت تحمّل کند جفائے خزاں
غلامِ ہمتِ سروم کہ ایں قدم دارد

نیکنامی خواہی اے دل بابداں صحبت مدار
خود پسندی جانِ من بُرہانِ نادانی بود

اگر نہ نالہ کنم گویدم چہ حاجتِ ماست
دگر بموبہ سَرایم بہ پیچ و تاب آید

گرچہ یاراں فارغند از یادِ من
ازمن ایشاں راہزا راں یاد باد

من ارچہ در نظرِ یار خاکسار شدم
رقیب نیز چنیں محترم نخواہد شد

مکن کہ کو کبۂ دلبری شکستہ شود
چوں چاکراں بگریز ندو بندگاں بجہند

جنابِ عشق بلند ست ہمتے حافظؔ
کہ عاشقاں رہِ بے ہمتاں بخودند ہند

ہر شجر برداشت کرسکتا نہیں ظلمِ خزاں
میں تو قائل سرو کا ہوں کہ ہے وہ ثابت قدم

نیک نامی چاہئے تو صحبتِ بد چھوڑ دے
خود پسندی جانِ من ہے سخت نادانی کی بات

نہ روؤں میں تو کہتا ہے ہماری کیا ضرورت ہے
عجب مشکل ہے روتا ہوں تو پیچ وتاب کھاتا ہے

اگر چہ بھول گئے ہیں مجھے مرے احباب
کروں گا یاد انہیں میں مگر ہزاروں بار

ہوں گرچہ یار کی نظروں میں رُسوا
رقیبِ روسیہ بھی خوار ہوگا

تمہاری دلبرانہ شان شاید ختم ہوجائے
تمہارے چاہنے والے نہ ہوں باقی تو کیا ہوگا

ہے درجہ عشق کا اونچا' لے حافظ کام ہمت سے
جو راہِ عشق پہ چلتے ہیں بے ہمت نہیں ہوتے

مردمِ دیدہ تمیم کنداز خاکِ درت
گرچہ درخانۂ خود آبِ روانے دارد

زحسرتِ لبِ شیریں ہنوز می بینم
کہ لالہ می دمداز خاکِ تربیتِ فرہاد

جملہ وصفِ عشق من بودست وحسنِ روے تو
آں حکا یتہا کہ از فرہاد و شیریں بستہ اند

سزد چو ابرِ بہمن کہ بریں چمن بگریم
طرب آشیانِ بلبل بنگر کہ زاغ دارد

بفروغِ چہرہ زلف ہمہ شب زندرہِ دل
چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد

ہم عفا اللہ زصبا کز تو پیامے آورد
ورنہ در کس نرسیدیم کہ در کوئے بود

دیگراں قرعۂ قسمت ہمہ بر عیش زدند
دلِ غم دیدۂ مابود کہ ہم برغم زد

تمّیم پُتلیاں آنکھوں کی خاکِ در سے کرتی ہیں
رواں پانی اگرچہ وہ گھروں میں اپنے رکھتی ہیں

لبِ شیریں کی حسرت میں ابھی تک دیکھتا ہوں میں
کہ لالہ اُگتا ہے فرہاد کی تربت کی مٹی سے

فقط ہیں وصف تیرے حسن کے یا عشق کے میرے
وہ افسانے تراشے ہیں جو فرہاد اور شیریں کے

روؤں نہ اس چمن پر کیوں مثلِ ابرِ باراں
قبضہ ہے اب زغن کا بلبل کے آشیاں پر

تمہاری زلفوں نے دل کو لوٹا ہے رات بھر رخ کی روشنی میں
دلیر ہے چور کس قدر وہ کہ ہاتھ میں ہے چراغ اس کے

صبا بھلا ہو ترا کہ اس کی طرف سے لائی پیام اس کا
جو لوگ رہتے ہیں اسکے کوچے میں میری ان تک کہاں رسائی

نکالا گرچہ قرعہ اور لوگوں نے مسرت کا
نکالا ہم نے قرعہ غم کا' دل اپنا تھا غم دیدہ

گرچہ می گفت کہ زارت بکشم می دیدم
کہ نہانش نظرے بامنِ دل سوختہ بود

ازدست رفتہ بود وجودِ ضعیفِ من
صبحم ببوئے وصلِ تو جاں باز دادباد

درکار خانۂ عشق از کفر ناگزیر ست
آتش کرابسوزد گر بو لہب نباشد

در محفلے کہ خورشید اندر شمارِ ذرّہ است
خودرا بزرگ دیدن شرطِ ادب نبا شد

ہر کس کہ بہ ہجرِ تو نسازد
از حلقۂ وصلِ تو بروں باد

ھُما گو مفگن سایۂ شرف ہرگز
درآں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

بنامِ ایزد بتِ سیمیں تنم ہست
کہ در بتخانۂ آذر نباشد

اگر چہ قتل کرنے کو وہ کہتا تھا مجھے لیکن
نگاہیں بھی رہا کرتی تھیں اس کی مجھ پہ پوشیدہ

جا چکا تھا ہاتھ سے میرا وجودِ ناتواں
صبح کو ڈالی ہوا نے جان بوئے وصل سے

عشق کے کارخانے میں لازم ہے کفر کا وجود
آگ کسے جلائے گی گر کوئی بولہب نہ ہو

یہ وہ محفل ہے سورج بھی جہاں پر ایک ذرّہ ہے
یہاں پر کچھ سمجھنا اپنے کو سوئے ادب ہوگا

سہہ سکے جو غم نہ جدائی کا
اس کو حاصل شبِ وصال کہاں

ہما سے کہہ دو کہ سایہ نہ ڈالے اپنا جہاں
زغن کی قدر ہو طوطی کا کوئی دام نہ ہو

مرے محبوب کے مانند کوئی
صنم خانے میں آذر کے نہ ہوگا

ہر کرا آئنہ صافی نشداز زنگِ ہوا
دیدہ اش قابلِ رخسارۂ حکمت نبود

طبع درآں لبِ شیریں نکردنم اولیٰ ست
وے چگونہ مگس ازپئے شکر نردد

گفتم مگر بگریہ دلش مہرباں کنم
درسنگِ خارہ قطرۂ باراں اثر نکرد

کرا گویم کہ با ایں دردِ جاں سوز
طبیبم قصدِ جانِ ناتواں کرد

عدو باجانِ حافظ آں نکردے
کہ تیرِ چشمِ آں ابرو کماں کرد

گویند سنگ لعل شود در مقامِ صبر
آرے شودو لیک نجونِ جگر شود

ازہر کنار تیر دعا کردہ ام رواں
باشد کزیں میانہ یکے کار گر شود

نہ ہو دل صاف اگر زنگِ ہوس سے
تو آنکھیں دید کے قابل نہ ٹھہریں

ہوس میری لبِ شیریں کی مانا ہے غلط لیکن
شکر موجود ہو تو کس طرح مکھی نہ جائے گی

مرے اشکوں سے ہوتا مہرباں وہ سنگ دل کیونکر
اثر کرتے نہیں بارش کے قطرے سنگِ خارا میں

کہوں کس سے بھلا کہ درد کی شدت کے عالم میں
مسیحا ہو کے بھی لیتا ہے جانِ ناتواں میری

توقع ایسی دشمن سے بھی کب تھی مجھکوائے حافظؔ
ستم ڈھائے گئے مجھ پر جوان آنکھوں کے تیروں سے

پتھر بھی لعل ہوتا ہے بعد از مقام صبر
لیکن جناب خونِ جگر تو بہائیے

دعا کے تیر ہر جانب سے میں نے اس لئے بھیجے
کہ شاید اتنے تیروں میں کوئی تو کارگر ہوگا

اے مرد مانِ دیدہ مگر یید بعد ازیں
پاۓ خیالِ دوست مبادا کہ ترشود

بُتا چوں غمزدہ ات ناوک کشاید
دلِ مجروحِ من پیشش سپر باد

گرت چو نوح نبی صبر ہست درغم طوفاں
بلا بگردد کامِ ہزار سالہ برآید

مریدِ پیرِ مغانم زمن مرنج اے شیخ
چرا کہ وعدہ تو کردیٔ و اوبجا آورد

طریقِ عشق پر آشوب و فتنۂ ست اے دل
بے فتد آنکہ دریں راہ با شتاب رود

مرا تو عہد شکن خواندۂ وَمی ترسم
کہ باتو روزِ قیامت ہمیں خطاب رَود

پیرِ میخانہ چہ خوش گفت بدردی کشِ خویش
کہ مگو حالِ دلِ سوختہ باخامے چند

روؤ نہ اس کے بعد اے آنکھوں کی پتلیو!
پائے خیالِ دوست نہ ہوجائے تر کہیں

صنم جب تو ادا کا تیر پھینکے
تو زخمی دل مرا اسکی سپر ہو

غم کے طوفاں میں ہے صابر تو اگر مانند نوح
ہوگی تکمیلِ مقاصد، ہر بلا ٹل جائے گی

مریدِ پیرِ میخانہ ہوں رنجیدہ نہ ہو واعظ
کہ تو کرتا ہے وعدہ، وہ مگر تکمیل کرتا ہے

یہ راہِ عشق اے دل! پُر خطر ہے اور پُر آشوب
وہی گرتا ہے جو اس راستے میں تیز چلتا ہے

ابھی تو شوق سے کہہ لیجئے وعدہ شکن مجھ کو
یہ تمغہ آپ ہی کے سر منڈھا جائے گا محشر میں

کہا کیا خوب ساقی نے یہ تلچھٹ پینے والے سے
نہ کہنا حالِ دل اپنا کبھی کم ظرف لوگوں سے

دلا بسوز کہ سوزِ تو کار ہا بکند
دعائے نیم شبی دفعِ صد بلا بکند

برقِ عشق آتشِ غم در دلِ حافظ زدو سوخت
یار دیرینہ ببینید کہ بایار چہ کرد

آنچہ سعی ست من اندر طلبت بنمودم
ایں قدر ہست کہ تغییرِ قضانتواں کرد

عارضش را بمثلِ ماہِ فلک نتواں خواند
نسبتِ دوست بہر بے سرو پانتواں کرد

جُز قلبِ تیرہ ہیچ نشد حاصل و ہنوز
باطل دریں خیال کہ اکسیری کنند

اگرچہ دلم رفت لیکن غمش نیست
بجزآں خمِ زلف جائے ندارد

لافِ عشق و گلہ از یارز ہے لافِ خلاف
عشقبا زانِ چنیں مستحق ہجراند

تو دل میں سوز پیدا کر کہ سوزش کام آئے گی
دعائے نیم شب صدہا بلائیں دفع کرتی ہے

سوزِ برق عشق سے حافظ کے دل کو پھونک کر
دیکھئے' کیا حال دیوانے کا اس نے کردیا

طلب میں تیری ہر ممکن اگرچہ میں نے کوشش کی
مگر تقدیر کو کیسے بھلا کوئی بدل ڈالے

چاند سے اس کے رخ کو کیا نسبت
بے سرو پا نہ کیجئے باتیں

سوائے دل کی تاریکی کے ان کو کیا ہوا حاصل
مگر یہ مبتلا ہیں زعم میں اکسیر سازی کے

دل گیا میرا اس کا غم کیا ہے
خوش ہوں زلفوں میں اس کی اٹکا ہے

ہے دعویٰ عشق کا اور اس پہ ہے معشوق کا شکوہ
سزاوارِ جدائی ایسے ہی عاشق تو ہوتے ہیں

جنگ ہفتادو دوملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت راہِ افسانہ زدند

زاغ چوں شرم ندارد کہ نہدپا برگل
بلبلاں را سزدار دامنِ خارے گیرند

نہ ہر کہ چہر بر افروخت دلبری داند
نہ ہر آئینہ سازد سکندری داند

ہزار نکتۂ باریک ترز مواینجاست
نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

باغبا ناز خزاں بے خبرت، می بنیم
آہ ازآں روز کہ بادت گلِ رعنا ببرد

نسبتِ رویت اگر باماہ و پرویں کردہ اند
صورتِ نادیدہ تشبیہے تخمیں کردہ اند

از بُنِ ہر مژہ ام آب روانست بیا
اگرت میلِ لبِ جوی و تماشا باشد

بہتر فرقوں کا جھگڑا تو بس ہے ایک مجبوری
حقیقت سے ہیں ناواقف اور افسانوں میں اُلجھے ہیں

نہیں ہے زاغ کو کچھ شرم، گل پر پاؤں رکھتا ہے
تو لازم ہے کہ بلبل تھام لیں کانٹوں کے دامن کو

سجا کر اپنا چہرہ کوئی دلبر ہو نہیں سکتا
بنالے جو بھی آئینہ، سکندر ہو نہیں سکتا

ہزاروں بال سے باریک نکتے اس میں پنہاں ہیں
منڈالے جو بھی سر اپنا، قلندر ہو نہیں سکتا

خزاں سے بے خبر میں دیکھتا ہوں باغباں تجھ کو
ہوا لے جائے گی تیرا گلِ رعنا مجھے ڈر ہے

ترے چہرے کو دی نسبت اگر چاند اور ثریا سے
اک اندازے سے دی تشبیہہ صورت تو نہ دیکھی تھی

جڑوں سے میری پلکوں کی رواں پانی کے دھارے ہیں
لب جو سیر کرنے کی اگر خواہش ہو آجاؤ

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روندآں کارِ دیگر می کنند

شہپرِ زاغ و زغن زیبائے صید و قید نیست
کایں کرامت ہمرہِ شہباز و شاہیں کردہ اند

من کہ در کوئے بتاں منزل و ماوا دارم
گردہی جائے بفردوس بر نیم چہ شود

جاں نقدِ محقّرست حافظ
از بہرِ نثار خوش نباشد

گفتم کہ نہ وقتِ سفرت بود چنیں زود
گفتا کہ مگر مصلحتِ وقت چنیں بود

دوش می گفت کہ فردا بد ہم کام دلت
سببے ساز خدا یا کہ پشیماں نشود

گر زلفِ سیاہت رامن مشکِ خُتن گفتم
درتاب مشو جاناں درگفتہ خطا افتد

یہ واعظ جو سرِ محراب و منبر جلوہ فرما ہیں
یہ جب خلوت میں جاتے ہیں تو پھر کچھ اور کرتے ہیں

کرے گا کون صید و قید شہپر چیل کوّے کا
کہ اس اعزاز کے لائق تو شہباز اور شاہیں ہیں

مری دنیا تو ہے کوئے بتاں میں
مجھے فردوس دے کر کیا کرو گے

یہ نقدِ جاں تو بہت یہ حقیر ہے حافظ
نثار کرنے کے قابل نہیں سمجھتا میں

کہا جو میں نے کہ رختِ سفر نہ باندھ ابھی
جواب اس نے دیا وقت کا تقاضا ہے

وہ کل کہتا تھا ''مقصد تیرا کل پورا میں کروں گا''
وہ شرمندہ نہ ہو، ایسا الٰہی کر سبب پیدا

کہا مُشکِ خُتن میں نے جو تیری کالی زلفوں کو
نہ ہو ناراض اے جاناں، خطا تو ہو ہی جاتی ہے

مشکلے دارم زدانشمندِ مجلس باز پرس
تو بہ فرمایاں چرا خود تو بہ کمتری کنند

امتحاں کن کہ بے گنجِ مرادت بہ ہند
گر خرابے چو مرا لطفِ تو آباد کند

دوست راگر سرِ پرسیدنِ بیمار غم ست
گو بیا خوش کہ ہنوزش نفسے می آید

اشکِ خونیں بطبیباں بنمودم گفتند
دردِ عشق ست و جگر سوزد دوائے دارد

مگو دیگر کہ حافظ نکتہ دانست
کہ مادیدیم محکم غافلے بود

کہ کسیکہ حسنِ رُخِ دوست در نظر دارد
محقق ست کہ او حاصلِ بصر دارد

بپائے بوسِ رو دستِ کسے رسید کہ او
چو آستانہ بدیں در ہمیشہ سردارد

ایک مشکل آپڑی ہے میرِ مجلس سے تو پوچھ
حکم تو یہ دینے والے خود نہیں کرتے ہیں کیوں

تو مجھ کو آزمالے ہر طرح کام آؤں گا تیرے
گر اپنے لطف سے آباد کردے میرا ویرانہ

اگر بیمار غم کو دیکھنے کی اس کو خواہش ہے
کہو آئے خوشی سے سانس چلتی ہے ابھی اس کی

دکھایا میں نے جو خوں کا آنسو طبیبوں کو تو کہا انہوں نے
یہ عشق کا درد ہے، کرو گے دوا اگر تو، جگر جلے گا

نہ کہنا پھر کہ حافظؔ نکتہ داں ہے
بڑا غافل ہے خود دیکھا ہے ہم نے

اپنی نظروں میں رکھے جو حُسنِ یار
رکھتا ہے بینائی کا وہ ماحصل

شرف تیری قدم بوسی کا حاصل ہے اسی کو جو
سر اپنا آستانے کی طرح رکھ دے ترے در پر

زبادہ ہیچت اگر نیست ایں بس کہ ترا
دمے زو سوسۂ عقل بے خبر دارد

در بحر فتادہ ام چوما ہی
تا یار مرا بشست گیرد

غمناک نباید بوداز طعنِ حسود اے دل
شاید کہ چووا بنی خیر تو دریں باشد

جہاں چو خلدِ بریں شد بدورِ سوسن و گل
ولے چہ سود کہ در دے نہ ممکن ست خلود

حافظؔ صبور باش کہ در راہِ عاشقی
ہر کس کہ جاں نداد بجاناں نمی رسد

چو درمیانِ مراد آوریدہ دستِ اُمید
زعہدِ صحبتِ ما درمیانہ یاد آرید

من ایں مرقع پشمینہ بہرِ آں دارم
کہ زیرِ خرقہ کشم مے کس ایں گماں بزد

ہوا نہ کچھ میکشی سے حاصل، ترے لئے کیا نہیں ہے کافی
کہ کم سے کم بے خبر تو رکھا ہے عقل کے وسوسے سے تجھ کو

میں دریا میں گرا ہوں مثلِ ماہی
کہ مجھ کو یار کانٹے سے پکڑ لے

غمناک نہ ہو اے دل تو طعنہ سے حاسد کے
شاید کہ بھلائی ہو پوشیدہ کوئی اس میں

بہشت ہوگئی دنیا تو موسم گل میں
نہیں ثبات جب اس کو تو فائدہ کیا ہے

حافظؔ تو صبر کر کہ رہِ عاشقی ہے یہ
جاں جس نے دی نہیں، نہیں پہنچا وہ یار تک

مرادوں سے اگر بھرنے لگے دامن امیدوں کا
ہماری دوستی کا بھی زمانہ یاد کر لینا

میں پشمینہ پہنتا ہوں تو اس میں مصلحت یہ ہے
چھپاؤں گا شراب اس میں تو کوئی شک نہیں ہوگا

نخست موعظۂ پیر مے فروش اینست
کہ از معاشرِ ناجنس احتراز کیند

مرا بوصل تو گزر آنکہ دسترس باشد
وگرز طالعِ خویشم چہ ملتمس باشد

درمعاش چناں کن کہ گر بلغزد پائے
فرشتہ ات بدو دستِ دعا نگہ دارد

چہ حاجت ست بشمشیرِ قتلِ عاشق را
کہ نیم جانِ مرا ایک کرشمہ بس باشد

کمینہ شرطِ وفا ترکِ سر بود حافظؔ
برو اگرز توایں کا برنمی آید

چناں زندگانی کن اندر جہاں
کہ چوں مُردہ باشی نگویند مُرد

شبے مجنوں بلیلٰی گفت کائے محبوب بے ہمتا
ترا عاشق شود پیدا ولے مجنوں نخواہد شد

ہے نصیحت اولیس پیرِ مغاں کی بس یہی
صحبتِ نا جنس سے پرہیز کرنا چاہئے

اگر حاصل ہو مجھ کو وصل تیرا
مجھے قسمت سے پھر مطلب نہیں ہے

گزارو زندگی اس طرح کی لغزش جو ہو جائے
بچانے کیلئے تم کو فرشتے خود دعا مانگیں

ضرورت قتلِ عاشق کیلئے تلوار کی کیا ہے
ہے تیری اک ادا مجھ نیم جاں کے واسطے کافی

وفا کی ہے یہ ادنیٰ شرط حافظؔ سر کٹا دینا
نہ ہو تم سے اگر یہ کام تو واپس چلے جاؤ

گزارو دہر میں اس طرح زندگی اپنی
کہ مر بھی جاؤ تو مردہ کہے نہ کوئی تمہیں

کہا مجنوں نے لیلیٰ سے کہ اے محبوبِ لاثانی
ترے عاشق بہت ہوں گے مگر مجنوں نہیں ہوگا

هرگز نہ نویسد او جوابے
بنویسم اگر ہزار کاغذ

گر سرو پیش قسدِ تو سری کشد مرنج
عقلِ طویل را نبود ہیچ اعتبار

قبلۂ محراب من ابروئے دلدارست وبس
ایں دلِ شوریدہ راباایں چہ وباآں چہ کار

بعزمِ تو بہ نہادم قدح زکف صدبار
ولے کرشمۂ ساقی نمی کند تقصیر

بے عمر زندہ ام من و زیں بس عجب مدار
روزِ فراق راکہ نہد در شمارِ عمر

یوسفِ گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

گرچہ بس خطرناک ست و مقصد نا پدید
ہیچ راہے نیست کو رانیست پایاں غم مخور

یہ جانتا ہوں وہ نہ لکھے گا کوئی جواب
گرچہ ہزار لکھتا رہوں خط پہ خط اسے

کیوں غم ہو سرو آئے مقابل میں گر ترے
کچھ اعتبار ہی نہیں لمبے کی عقل کا

میں تو بس اس صنم کا بندہ ہوں
مجھ کو دیر و حرم سے کیا مطلب؟

بارہا پیالہ رکھا میں نے بعزمِ توبہ
چشمِ ساقی جو پلائے تو میں کیوں نہ پیوں

بے عمر زندہ ہوں تو تعجب کی بات کیا
گنتا ہے کون عمر میں روزِ فراق کو

یوسفِ گم گشتہ مل جائے گا اک دن غم نہ کر
غم کدے میں آئے گی اک دن بہارِ جانفزا

گرچہ منزل دور ہے اور پُر خطر
راستہ ہوجائے گا طے غم نہ کر

دورِ گردوں گرد و روزے بر مرادِ ما نگشت
دائما یکساں نماند کارِ دوراں غم مخور

زآسماں ہمت بیا موزو تواضع ازز میں
مروی از مہر جوی ونورِ مہر از ماہ گیر

ما زندہ بہ ذکرِ دوست باشیم
دیگر حیواں بنفخۂ صدر

چوباداز خرمنِ غیراں ربودن خوشۂ تاچند
زہمت توشۂ بردار و خود تخمے بکار آخر

زاہد اگر بحورو قصورست اُمیدوار
مارا شرابخانہ قصورست ویارحور

دوش می گفت بمژگانِ درازت بکشم
یارب از خاطرش اندیشۂ بیداد ببر

زلفِ سنبل اگر برافشانی
نبود مُشک راد گر مقدار

گردشِ دوراں مخالف ہے تو کیا
اک نہ اک دن راہ پر آجائے گی

خاکساری لوز میں سے اور ہمت چرخ سے
چاند سے نورِ محبت، مردمی سورج سے لو

ہم تو زندہ ہوں گے ذکرِ یار سے
صور کے پھکنے سے ہوں گے دوسرے

غیر کے خرمن سے کب تک خوشہ چینی مثلِ باد
توشۂ ہمت تو لے اور خود بھی کوئی بیج بو

زاہد اُمیدوار ہے حور و قصور کا
ہیں یارو میکدہ ہی مرے حور اور قصور

کروں گا قتل لمبی پلکوں سے یہ کل وہ کہتا تھا
ستم کا اس کے دل میں کوئی اندیشہ نہ ہو یارب

تو جھٹک دے جو زلفِ سنبل کو
مشک کی قدر پھر نہ رہ جائے

حافظؔ دردمند حیران ست
بندۂ تست بے زر و مقدار

غبارِ غم برود حال بہ شود حافظؔ
تو آبِ دیدہ ازیں رہ گزر دریغ مدار

آنرا کہ بوئے عنبر زلفِ تو آرزوست
چوں عود گو بر آتشِ سوزاں بسوز و ساز

فقیر و خستہ بدرگاہت آدم رحمے
کہ جُز و لائے تو ام نیست ہیچ دستاویز

ہیچ در نر دم ازیں زحضرتِ دوست
چو کعبہ یافتم آیم زبُت پرستی باز

نامِ من رفتہ است روزے برلبِ جاناں بسہو
اہلِ دل رابوئے جاں می آیداز نامم ہنوز

ایکہ گفتی جاں بدہ تا باشدت آرامِ دل
جاں، بمغہائش سپردم نیست آرام ہنوز

حافظ درمند حیراں ہے
تیرا بندہ ہے بے زر و مقدار

غبارِ غم چھٹے گا اور ہوگا حال بھی اچھا
اے حافظ رہ گزر پہ اس کی تو آنسو بہائے جا

ہے جس کو تیری زلفِ معنبر کی آرزو
وہ مثلِ عود جلتا رہے اپنی آگ میں

رحم کا طالب ہوں آیا ہوں تیرے دربار میں
گرچہ ہوں نادار لیکن دولتِ الفت تو ہے

تمہارے آستانے سے نہ جاؤں گا کسی در پر
مجھے جب مل گیا کعبہ کروں میں بت پرستی کیوں

جو آیا نام میرا یار کے ہونٹوں پہ بھولے سے
تو اہلِ دل کو میرے نام سے ملتی ہے بو اس کی

کہا تھا تو نے جاں دے دے تو حال دل کو راحت ہو
ملی دل کو نہ راحت گرچہ میں نے تجھ کو جاں دیدی

ماجرائے دلِ سرگشتہ نگویم باکس
زانکہ جُز تیغِ غمت نیست کسے و مساز

بہ پیشِ آئینہ دل ہر آنچہ می آرم
بجز خیالِ جمالت نمی نماید باز

پیالہ درکفنم بند تا سحر گہ حشر
بے زدل ببرم ہولِ روز رستا خیز

زکوئے میکدہ برگشتہ ام زراہِ صواب انداز
مراد گر زکرم در رہِ صواب انداز

مرا بکشتیٔ بادہ درافگن اے ساقی
کہ گفتہ اند نکوئی کن و در آب انداز

طہارت ار نہ نجونِ جگر کند عاشق
بقولِ مفتیِ عشقش درست نیست نماز

در ضمیرِ مانمی گنجد بغیر از دوست کس
ہر دو عالم رابدشمن دہ کہ مارا دوست بس

دل کا قصہ کسی سے میں کہتا نہیں
کوئی ساتھی نہیں تیغِ غم کے سوا

میں دل کے آئینے کے سامنے جو شئے بھی لاتا ہوں
نظر آتا نہیں کچھ بھی سوائے حسن کے تیرے

کفن میں میرے پیالہ باندھ دینا تا کہ صبحِ حشر
بفیضِ مے مرے دل میں نہ کوئی ڈر ہو پرسش کا

میں بھولے سے چلا آیا ہوں میخانے کے کوچے سے
برائے مہربانی مجھ کو راہِ راست پر لے چل

مجھے شراب کی کشتی میں ڈال دے ساقی
کہا گیا ہے کہ کر نیکی' ڈال دریا میں

جگر کے خون سے عاشق اگر وضو نہ کرے
نماز اس کی نہ ہوگی بقول مفتیِ عشق

نہیں اس کے سوا دل میں ہمارے کوئی گنجائش
دو عالم دے دے دشمن کو ہمیں محبوب کافی ہے

خاطرم وقتے ہوس کردے کہ بینم چیزہا
تا ترا دیدم نکردم جز بدیدارت ہوس

فلک بمردم ناداں وہد زمام مراد
تو اہلِ دانش و فضلی ہمیں گناہت بس

ازدرِ خویش خدارا بہ بہشتم مفرست
کہ سرِ کوئے تو از کون و مکاں مارا بس

ماقصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
ازما بجز حکایتِ مہرو وفامپرس

کس بامیدِ وفا ترکِ دل و دیں مکناد
کہ چنانم من ازیں کردہ پشیماں کہ مپرس

بپاد شاہی عالم نرو نیار دسر
اگر زسّرِ قناعت خبر شود درویش

چوں احمدؐ شفیع بود در روزِ رستخیز
گوایں تنِ بلاکشِ من پُر گناہ باش

بہت کچھ دیکھنے کی دل کو خواہش یوں تو رہتی تھی
تجھے دیکھا تو بس ہے صرف تیری دید کی خواہش

مرادیں پوری کرتا ہے فلک نااہل لوگوں کی
تو علم و فضل والا ہے یہی تو جرم کافی ہے

خدا را بھیج نہ تو اپنے در سے مجھ کو جنت میں
مجھے کونین کے بدلے میں تیرا کوچہ کافی ہے

نہیں قصے پڑھے ہم نے سکندر اور دارا کے
بجز مہر و وفا کے کوئی قصہ ہم سے نہ پوچھو

نہ چھوڑے کوئی اُمیدِ وفا پر دین و دل اپنا
نہ پوچھو کس قدر شرمندہ ہوں اپنے کئے پر میں

شہنشاہوں کے آگے سر جھکائے گا نہ وہ اپنا
ہے کیا رازِ قناعت اس سے گر درویش واقف ہو

سفارش کرنے والے میرے جب احمدؐ ہوں محشر میں
گناہوں سے ہو پُر کہد و مرے جسمِ بلاکش سے

آنرا کہ دوستیِ علیؑ نیست کافرست
گو زاہدِ زمانہ و گو شیخِ راہ باش

تابردلش از غصہ غبارے نہ نشیند
اے سیلِ سرشک از عقبِ نامہ رواں باش

دوائے تو دوائے تست حافظ
لبِ نوشش لبِ نوشش لبِ نوش

ریا حلال شمارندو جامِ بادہ حرام
زہے طریقت و ملت زہے شریعت و کیش

باچنیں زلف ورخے باوش نظر بازی حرام
ہر کہ روئے یاسمین و جعدِ سنبل بایدش

تو شمعِ انجمنی یک زبان و یک دل شو
خیالِ کوششِ پروانہ بین و خنداں باش

چو پیرِ سالکِ عشقت بے حوالہ کند
بنوش و منتظرِ رحمتِ خدا میباش

نہیں حبِ علی جس دل میں وہ لاریب کافر ہے
وہ ہو شیخِ طریقت یا زمانے بھر کا زاہد ہو

کہیں بیٹھے نہ اس کے دل پہ کوئی گرد غصے کی
اے سیلِ اشک تو بھی خط کے پیچھے ہی روانہ ہو

دوا تیری اے حافظ
لبِ شیریں، لبِ شیریں ہیں اس کے

ہے بادہ خواری ناجائز، ریا کاری مگر جائز
بھلا ہو شرع و مذہب کا طریقت اور ملت کا

دیکھنا تب تیری زلف و رخ کا اس پر ہے حرام
جس کو روئے یاسمین و زلفِ سنبل چاہئے

تو شمعِ انجمن ہے اک زباں اور ایک دل ہو جا
خیالِ کوششِ پروانہ کو دیکھ اور خنداں رہ

تجھے مے کے حوالے خضرِ راہِ عشق، جب کر دے
تو پی لے اور خدا کی رحمتوں کا منتظر بن جا

ساقیا در گردشِ ساغر تعلّل تا بچند
دور چوں با عاشقاں افتد تسلسل بایدش

گرچہ از کوئے وفا گشت بصد مرحلہ دور
دور باد آفتِ دورِ فلک از جان و تنش

گوہر از بحر کے بروں آرد
ترکِ سرتانمی کند غوّاص

بیا کنار بگیریم و آشتی بکنیم
گزشتہ یا دچہ آری مضٰی مضٰی ماماض

ہنر نمی خرد ایام و غیراز نیم نیست
کجا روم بتجارت بایں کسادِ متاع

ببیں کہ رقص کناں میر و دبنالہٴ چنگ
کسے کہ اذن نمیدادے استماعِ سماع

بخندہ گفت کہ حافظؔ غلامِ طبعِ توام
ببیں کہ تا بچہ حدّم ہمی کند تحمیق

گردشِ ساغر میں ساقی اس قدر تاخیر کیوں
عاشقوں کا دور آئے تو تسلسل چاہئے

نہیں بوئے وفا تجھ میں اگرچہ
رہے محفوظ تو ہر اک بلا سے

بے خطر کود پڑو جان کی پروا نہ کرو
خود سے اُگلا ہے نہ اُگلے گا سمندر موتی

آؤ گلے سے لگ جائیں ہم کرلیں دونوں باہم صلح
بھول بھی جاؤ گزری باتیں ہوگیا جو کچھ ہونا تھا

سوائے علم و ہنر کے مری بساط ہے کیا
ہے ناشناس زمانہ مجھے وہ کیا جانے

چنگ کی دھن پہ ناچتا ہے وہ
جو نہ دیتا تھا اذن سننے کا

کہا اس نے یہ ہنس کر، میں غلامِ طبعِ حافظؔ ہوں
ذرا دیکھو تو مجھ کو کس قدر احمق بناتا ہے

بگشا پستۂ خندان و شکر ریزی کن
خلق را از دہنِ خویش مینداز بہ شک

آدم زحن روئے تو گر بہرہ داشتے
از دیدنش بسجدہ نپرداختے ملک

ہزارد شمنم ارمی کنند قصدِ ہلاک
گرم تو دوستی از دشمناں ندارم باک

بچشمِ خلق عزیز آنگہے شوی حافظؔ
کہ بردرش بنہی روئے مسکنت برخاک

منِ شکستۂ بد حال زندگی یابم
درآں زماں کہ بہ تیغِ غمت شوم مقتول

بدردِ عشق بساز و خموش شو حافظؔ
رموزِ عشق مکن فاش پیشِ اہلِ عقول

حافظؔ گر معینے داری بیار
ورنہ دعوئ نیست غیر از قیل و قال

کھول بھی تو پستۂ خنداں شکر ریزی تو کر
اپنے منہ کے بارے میں مخلوق کوشک میں نہ ڈال

اگر آدم تمہارے حسن کی کچھ بھی جھلک رکھتے
فرشتے دیدان کی چھوڑ کر سجدے میں کیوں گرتے

اگر دشمن ہزاروں درپئے آزار ہوں میرے
نہیں ہے مجھ کو کوئی خوف جب تو دوست ہے میرا

نگاہِ خلق میں ہوگا عزیز اے حافظؔ
تو اس کے در پہ اگر رکھ دے عجز سے چہرہ

میں بدحال و شکستہ پھر سے پا جاؤں حیاتِ نو
تمہاری تیغِ غم سے میں اگر مقتول ہو جاؤں

تو دردِ عشق کر برداشت اور خاموش رہ حافظؔ
رموزِ عشق اہل عقل سے ہرگز نہیں کہتے

ہے گرہ میں تیری گر معنی کوئی حافظؔ تو لا!
ورنہ دعویٰ تیرا قیل و قال سمجھا جائے گا

تُرکِ ماسوئے کس نمی نگرد
آہ ازیں کبریاؤ جاہ و جلال

حافظؔ عشق و صابری تا چند
نالہٗ عاشقاں خوش ست بنال

ساقی بیار بادہ کہ آمد زمانِ گل
تا بشکنیم توبہ دگر درمیانِ گل

چویار برسرِ صلح ست و عذری خواہد
تواں گزشت زجورِ رقیب درہمہ حال

گفتم کہ کے بہ بخشی برجانِ ناتوانم
گفت آنزماں کہ نبود جاں درمیانہ حائل

اے دوست دستِ حافظؔ تعویز چشم زخم ست
آیا بود کہ بینم در گردنت حمائل

از عشقِ تو ناصح چہ مرامنع نماید
اے دوست مگر ہم تو کنی حلِ مسائل

دیکھتا ہی نہیں کسی کی طرف
آہ یہ کبر اور جاہ و جلال

حافظاؔ عشق و صابری کب تک
رونا بہتر ہے عاشقوں کا تو رو

ساقی شراب لاکہ ہے موسم بہار کا
توبہ کو توڑ تاڑ دیں پھولوں کے درمیاں

ہے دوست صلح پہ آمادہ عذر چاہے ہے
ستم رقیب کا اب مجھ کو ناگوار نہیں

کہا جو میں نے جانِ ناتواں پر کب کرم ہوگا
کہا کہ درمیاں میں جان جب حائل نہ ہو تیری

دستِ حافظؔ چشم بد کے واسطے تعویز ہے
تیری گردن میں حمائل جانِ من کردوں اسے

یہ ناصح عشق سے تیرے مجھے کیوں منع کرتا ہے
ہے آخر راز کیا؟ اے دوست تو ہی اس کو حل کر دے

ذرّہ خاکم و در کوئے توام وقت خوش ست
ترسم اے دوست کہ بادے ببردنا گا ہم

موجِ اشکِ ماکے آرد در حساب
آنکہ کشتی راند بر خونِ قتیل

گفتہ بودی کہ خبردہ زہجرم چونی
آنچنا نم کہ بہ بنی و ندانی بازم

اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں
طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خری بینم

گربہ ہر موئے سر برتنِ حافظؔ شد
ہم چو زلفت ہمہ رادر قدمت اندازم

جلوہ برمن مفروش اے ملکِ الحاج کہ تو
خانہ می بنی ومن خانہ خدامی بینم

ایں جانِ عاریت کہ بہ حافظؔ سپرد دوست
روزے رخش بہ بینم و تسلیمِ وے کنم

میں ذرّہ خاک کا ہوں تیرے کوچے میں بہت خوش ہوں
اڑا کر لے نہ جائے کوئی جھونکا' دوست ڈرتا ہوں

اثر کیا خاک ہو اس پر ہماری چشمِ پُر نم کا
چلاتا ہو جو کشتی خونِ ناحق کے سمندر میں

زہے قسمت یہ پوچھا ہجر میں کیا حال ہے میرا
اگر تو دیکھ لے مجھ کو تو پھر شاید نہ پہچانے

اسپ تازی تو ہے زخمی زیرِ پالاں دیکھئے
طوق سونے کے سبھی ہیں گردنِ خر میں سجے

تنِ حافظؔ پہ سر موجود ہو ہر بال کے بدلے
تو تیری زلف کی مانند ڈالوں تیرے قدموں پر

اے ملکِ الحاج مت کر خود نمائی سامنے میرے
تو گھر کو دیکھتا ہے اور میں اس کو جو مالک ہے

یہ جانِ عاریت اے دوست جو بخشی ہے حافظؔ کو
ترا دیدار کرلوں گا تو بس تجھ کو ہی دے دوں گا

مرا کہ منظرِ حورست مسکن و ماویٰ
چرا بکوئے خراباتیاں بود و طنم

نذر کر دم کہ گرایں غم بسر آید روزے
تادرِ میکدہ شادان و غزل خواں بروم

مازیاراں چشمِ یاری دا شتیم
خود غلط بود آنچہ ماپندا شیتم

گفت گو آئینِ درویشی بنود
ورنہ باتو ماجراہا دا شیتم

واعظ مکن نصیحت شوریدگاں کہ ما
باخاکِ کوئے دوست بفردوس ننگریم

بہ تیغم گر زندد ستش نگیرم
وگر تیرم زند منّت پزیرم

چوطفلاں تاکے اے واعظ فریبی
بسیب بوستان و جوئے شیرم

ہے جبکہ میرا ماویٰ اور مسکن حور کا منظر
خراباتیوں کے کوچے میں پھر میرا وطن کیوں ہو

اگر غم دور ہوجائے تو منّت میں نے مانی ہے
درِ میخانہ تک شاداں غزل پڑھتا ہوا جاؤں

سادہ لوحی تو دیکھئے اپنی
ہم نے احباب سے توقع کی

ترے تغافل کا ماجرا ہو کہ داستاں ہو ستم کی تیرے
کہوں تو کیسے کہوں زباں سے یہ شیوۂ عاشقاں نہیں ہے

نہ کر واعظ نصیحت ہم وہ دیوانے ہیں، جنت کو
نہیں خاطر میں لاتے خاکِ کوئے دوست کے آگے

نہ پکڑوں ہاتھ اس کا وہ اگر تلوار سے مارے
جو مارے تیر سے تو بھی ہوں ممنونِ کرم اس کا

او واعظ مجھ کو بچوں کی طرح پھسلائے گا کب تک
ارے رہنے دے جوئے شیر، سیب باغ رہنے دے

صبا خاکِ وجود ماباآں عالی جناب انداز
بودکاآں شاہ خوباں را نظر بر منظر اندازیم

حافظاں خلد بریں خانہء موروث من ست
اندریں منزل ویرانہ نشیمن چہ کنم

ابلہاں راہمہ شربت زگلاب و قندست
قُوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بنیم

سخن درست بگویم نمی تواند دید
کہ مے خورند حریفاں ومن نظارہ کنم

نہ قاضیم نہ مدرس نہ محتسب نہ فقیہ
مرا چہ سود کہ منع شراب خوارہ کنم

چگونہ سر زخجالت بر آورم بر دوست
کہ خدمتے بسزا بر نیا مدازدستم

اگر زمردم ہشیاری اے نصیحت گو
سخن بخاک میگفن چرا کہ من مستم

صبا تو خاک مری ڈال دے دربارِ عالی میں
ہے ممکن دیکھ لوں اس طرح میں اس شاہِ خوباں کو

ارے حافظ یہ جنت تو مرا ہے خاندانی گھر
نشیمن میں کسی ویران منزل میں بناؤں کیوں

جو ہیں احمق وہ پیتے ہیں گلاب و قند کا شربت
جو دانا ہیں بچارے پیتے ہیں خونِ جگر اپنا

میں سچ کہتا ہوں مجھ سے یہ نہیں برداشت ہو سکتا
کہ دشمن پیتے جائیں اور میں بس ان کا منہہ دیکھوں

فقیہ و محتسب ہوں میں نہ قاضی یا مدرس ہوں
مجھے کیا فائدہ کہ میں کسی مے نوش کو روکوں

میں پیش یار کیسے سر اٹھاؤں سخت نادم ہوں
مناسب کوئی خدمت جبکہ مجھ سے ہو نہیں پائی

اے ناصح راہ لگ اپنی اگر تجھ میں ہے دانائی
ملامت بات اپنی خاک میں کہ میں ہوں مستی میں

من اگر چہ مے پرستم نہ ہیدے بدستم
مہر یدل زد ستم کہ دلِ دگر ندارم

بیدار در زمانہ ندیدے کسے مرا
درخواب اگر خیالِ تو گشتے مصورم

چنیں کہ دردلِ من داغِ زلفِ سرکش تست
بنفشہ زار شود تربتم چودر گذرم

سوزِدل اشکِ رواں آہ سحر نالہ شب
ایں ہمہ ازاثر لطفِ شامی بینم

تادرختِ دوستی کے بردہد
حالیارفتیم و تخمے کاشتیم

حاشاکہ من بموسم گل ترکِ مے کنم
من لافِ عقل میزنم ایں کار کے کنم

نقشِ خیالِ روئے تو تاوقت صبح دم
برکارگاہِ دیدہ بیخواب میزدم

مہ گرچہ ایک رندہوں مجھ کو نہ دوشراب
بس ایک ہی تو دل ہے نہ لے جاؤ تم اسے

بیدار دیکھتا ہی نہیں پھر مجھے کوئی
آجائے خواب میں بھی تصور اگر ترا

ہے میرے دل میں ایسا داغ تیری زلفِ سرکش کا
بنفشہ زار ہوگی قبر میری بعد مرنے کے

دل کی سوزش بہتے آنسو گریۂ شب آہِ صبح
شکر یہ صد شکر یہ ہے مہربانی آپ کی

دیکھنا ہے کہ پھل بھی دیتے ہیں
ھم نے بوئے ہیں دوستی کے بیج

معاذ اللہ! فصلِ گل میں کردوں ترکِ مے نوشی
خدا رکھے نہیں ہے عقل میں میری فتور ایسا

ترے نقش کا تار دپودِ حسیں
میں بے خواب آنکھوں میں بنتا رہا

در حقِ من بدردکشی ظنّ بد مبر
کآ لوده گشت خر قہ ولے پاک دامنم

زاہد بروکہ طالعِ اگر طالعِ من ست
جام بدست باشدوزلفِ نگارہم

آنکہ می گویندآں بہتر زحسن
یارمااِیں داردوآں نیز ہم

حافظ ایں حالِ عجب با کہ تواں گفت کہ ما
بلبلا نیم کہ در موسم گلِ خاموشیم

دررہِ عشق ازآں سوئے فنا صد آمدرستم
تانگوئی کہ چو عمرم بسر آمد رستم

حافظا چوں غم و شادی جہاں در گذرست
تانگوئی کہ چو عمر بسر آمد رستم

ازدلِ تنگِ گنہ گاربرآرم آہے
کاتش اندر گنہ آدم و حوانگنم

مری رندی سے مرے بارے میں تو بدگماں مت ہو
ہے خرقہ میرا آلودہ مگر میں پاک دامن ہوں

زاہد تو جا کہ ساتھ ہے قسمت اگر مرے
ساغر بھی ہوگا ہاتھ میں اور زلفِ یار بھی

یہ مانا ہم نے بڑھ کر حسن سے ہے آن کا درجہ
ہمارے دوست میں موجود ہیں یہ خوبیاں دونوں

کہا جاتا نہیں ہے کچھ عجب حالت ہے اے حافظؔ
کہ بلبل ہو کے بھی خاموش ہیں ہم موسمِ گل میں

موت کے بعد بھی ہیں عشق میں سو سو خطرے
بعد مرنے کے ملے چین ضروری تو نہیں

یہ دورِ شادی و غم جب اے حافظ آتا جاتا ہے
تو بہتر ہے یہی کہ اپنے دل کو شادماں رکھوں

میں اگر چھوٹے سے اپنے دل سے کر دوں کوئی آہ
تو گناہِ آدم و حوّا میں لگ جائے گی آگ

من از بازوئے خوددارم بے لشکر
کہ روزِ مردم آزادی ندارم

قدت گفتم کہ شمشادست و بس خجلت بیار آورد
کہ ایں نسبت چرا کردیم وایں بہتاں چرا گفتیم

ایں کہ پیرانہ سرم صحبتِ یوسف بنواخت
اجرِ صبریست کہ در کلبۂ احزاں کردم

نصیحتم چہ کنی ناصحاچہ می دانی
کہ من نہ معتقدِ مردِ عافیت جویم

گر بدانم کہ وصالِ توبدیں دست دہد
دل ودیں راہمہ در بازم و توفیر کنم

فردا اگر نہ روضۂ رضواں بماد ہند
غلماں زغرفہ حورز جنت بدر کشیم

عاشق و رندو نظر بازم ومی گویم فاش
تابدانی کہ بچندیں ہنر آراستہ ام

میں ہوں ممنون اپنے بازوؤں کا
کہ زورِ مردم آزاری نہیں ہے

ترے قد کو کہا شمشاد تو میں سخت نادم ہوں
کہ دی کیوں ایسی نسبت اور یہ بہتان کیوں باندھا

مجھے حاصل ہوا یوسف تو یہ اس صبر کا پھل ہے
غموں کی کوٹھری میں، میں نے اک مدّت گزاری ہے

نصیحت مجھ کو کیا کرتا ہے تو کیا جانے اے ناصح
نہیں میں معتقد ان کا جو ہیں جو یائے عافیت

طریقہ وصل کا تیرے اگر معلوم ہوجائے
دل و دیں ہی نہیں سب کچھ میں تجھ پہ وقف کردوں گا

قیامت میں اگر ہم کو نہ دے گا روضۂ رضواں
تو پھر ہم حور اور غلماں کو باہر کھینچ لائیں گے

میں عاشق ہوں شرابی ہوں علی الاعلان کہتا ہوں
کہ تم کو بھی مری ان خوبیوں کا علم ہو جائے

نیست بَر لوحِ دلم جُزالفِ قامتِ یار
چہ کنم حرفِ دگریا دنداد استادم

نیست امکانِ خلاص ازغمِ اوائے حافظ
چونکہ تقدیر چنیں بود چہ تدبیر کنم

گل زحد بُرد تنعّم زکرم رخ بنمائے
سروی نازود خوش نیست خدارا بخرام

بولائے تو کہ گر بندۂ خویشم خوانی
از سرِ خواجگی کون و مکاں بر خیزم

باغ بہشت و سایۂ طوبیٰ و قصر وحور
باخاکِ کوئے دوست برابر نمی کنم

ہر چند پیرو خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم

ندارم وسنت از دامن بجز درخاک و آندم ہم
چوبر خاکم گزار آری بیگرد دامنت گردم

ثبت ہے بس میرے دل پر تیرے قامت کا الف
اور کوئی حرف سیکھا ہی نہیں استاد سے

رہائی کا نہیں امکان اس کے غم سے اے حافظؔ
یہی تقدیر ہے اپنی تو پھر تدبیر کیا کیجئے

حسن پر پھول ہے اپنے نازاں رخ سے پردہ ذرا تم اٹھانا
سرو بھی اپنے قد پہ ہے نازاں آ تو جاؤ ٹہلتے ٹہلتے

قسم تیری محبت کی اگر کہہ دے غلام اپنا
تو میں کون و مکاں کی بادشاہی کو بھی ٹھکرا دوں

باغ بہشت، طوبیٰ کا سایۂ قصور و حور
اے خاکِ کوئے دوست تیری بات ہے کچھ اور

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں ہوں میں
یاد آیا تیرا رخ تو جوانی پلٹ گئی

نہ مل جاؤں گا جب تک خاک میں دامن نہ چھوڑوں گا
تو گزرا خاک سے میری تو دامن خاک پکڑے گی

وقتِ گل گوئی کہ زاہد شو بچشم و جان و دل
می روم تامشورت باشاہدو ساغر کنم

من کہ امروزم بہشتِ نقد حاصل می شود
وعدۂ فردائے زاہد را چرا باور کنم

درِ میخانہ رابکشا کہ ہیچ از خانقہ نکشود
گرت باور بود ورنہ سخن ایں بود و ما گفتیم

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت
ناخلف باشم اگر من بجوئے نفردشم

بطرب حمل مکن سرخی رویم کہ چو جام
خونِ دل عکس بروں مید ہد از رخسارم

گو غنیمت شمار صحبت ما
کہ تو در خواب دما بدیر گہیم

پروانۂ اوگر برسد در طلب جاں
چوں شمع ہماندم بدمے جاں بسپارم

موسمِ گل میں تو کہتا ہے کہ میں زاہد بنوں
مشورہ تو کرلوں جا کر شاہد و ساغر سے میں

مجھ کو حاصل ہورہی ہے جبکہ جنت آج ہی
وعدۂ فردا پہ زاہد میں یقیں کیسے کروں

درِ میخانہ واکر، خانقا ہوں میں نہیں کچھ بھی
یقیں آئے نہ آئے ہم نے جو سچ بات تھی کہہ دی

پدر نے میرے جنت بیچ ڈالی تھی دو گندم میں
میں ہوں گا ناخلف اس کو اگر اک جو میں نہ بیچوں

مرے چہرے کی سرخی کو نہ سمجھو تم خوشی ہرگز
ارے یہ تو جھلک ہے خونِ دل کی میرے گالوں پر

غنیمت سمجھو تم صحبت ہماری
کہ تم سوئے ہو اور ہم پاسباں ہیں

طلب کرنے کو جاں، اس کا اگر پروانہ آجائے
اسی دم شمع کی مانند اپنی جان دیدوں گا

مادریں درپئے حشمت وجاہ آمدہ ایم
ازبدِ حادثہ اینجابہ پناہ آمدہ ایم

بخت ادمدد کند کہ کشم رخت سوئے دوست
گیسوئے حور گرد فشاندز مفر شم

برجبیں نقش کن از خونِ دلِ من خالے
تابدانند کہ قربانِ تو کافر کشیم

حافظ غمِ دل باکہ بگویم کہ دریں دور
جزجام نشاید کہ بود محرمِ رازم

من اگر رند و گر شیخ چہ کارم باکس
حافظ راز خود و عارفِ وقتِ خویشم

پیرِ مغاں ز توبۂ ماگر ملول شد
گوبادہ صاف کن کہ بعذر ایستادہ ایم

بکام و آرزوئے دل چودارم خلوتے حاصل
چہ فکر از خُبثِ بدگویاں میان انجمن دارم

برائے جاہ و حشمت ہم نہیں آئے ہیں اس در پر
حوادث سے اماں مل جائے بس اتنی تمنا ہے

میں قسمت سے پہنچ جاؤں اگر محبوب تک اپنے
تو میرے فرش کو جھاڑیں گی حوریں اپنے گیسو سے

تو جبیں پر میری خونِ دل کا نقشہ کھینچ دے
تاکہ دنیا جان جائے تجھ پہ میں قربان ہوں

اس دور میں کہوں تو بھلا کس سے دل کا غم
حافظؔ سوائے جام کے محرم نہیں کوئی

کسی سے واسطہ کیا شیخ ہوں میں یا شرابی ہوں
محافظ ہوں میں اپنے راز کا اور وقت کا عارف

توبہ سے میری پیرِ مغاں ہے اگر ملول
کہہ دو شراب چھانے میں کرتا ہوں معذرت

ہے کام و آرزوئے دل مجھے خلوت میں جب حاصل
تو بدگوئیِ اہلِ انجمن کی فکر کیا مجھ کو

اے دل اگرت ہوائے وصل ست
برخیز روان و ترکِ سرکن

چوں یار سرِ وفا ندارد
برخیزوز شہرِ خود سفر کن

بادوستاں مضائقہ درعمل و مال نیست
صدجاں فدائے یارِ نصیحت نیوش کن

حافظؔ چونمیر سی بمقصود
دم درکش و قصہ مختصر کن

فاتحۂ چوآمدی برسرِ خستۂ بخواں
لب بکشا کہ می دہد لعلِ لبت بمردہ جاں

بکشا بعشوہ نرگسِ مست و خراب را
وزرشک چشمِ نرگسِ رعنا پُر آب کن

ما بختِ خویش وخوئے ترا آزمودہ ایم
بادشمناں قدح کش و باماعتاب کن

اے دل وصال کی ہے تجھ کو اگر تمنا
اٹھ جلد اور سر سے تو اپنے ہاتھ دھولے

یار کو جب وفا کی فکر نہیں
کوچ کردے تو شہر سے اپنے

دوستوں کے واسطے یہ جان و مال
وقت جب آئے تو کردے سب نثار

پہنچتا ہی نہیں جب منزلِ مقصود تک حافظؔ
تو پھر خاموش رہ کیا فائدہ ہے قصہ گوئی سے

لحد پہ اک خستہ جاں کی آئے ہو تو ذرا فاتحہ بھی پڑھ دو
کہ جان مردے میں ڈال دیتے ہیں لعل جیسے یہ لب تمہارے

ذرا تم نرگسی آنکھیں تو کھولو
کہ نرگسِ رشک سے آنسو بہائے

اپنی قسمت بھی ہے تیری عادت بھی ہے
دشمنوں پہ کرم اور ہم پہ ستم

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقتِ ما کافری ست رنجیدن

ماہ و خورشید بامرِ تو بہ منزل چورسند
یارِ مہ روئے مرا نیز بمن باز رساں

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنردارد عشق
گفتم اے خواجۂ عاقل ہنرے بہتر ازیں

بقولِ دشمناں برگشتی از دوست
نگر دو ہیچ کس با دوست دشمن

اونجونم تشنۂ دمن برلبش تاچوں شود
کام بستانم ازدیا داوٗ بستا ند زمن

گر بگویم کہ قدح گیر و لبِ ساغر بوس
بشنو اے جاں کہ نگوید دگرے بہتر ازیں

خدا را کم نشیں باخرقہ پوشاں
رخ از رندانِ بیساماں مپوشاں

وفا کر کے بھی سہتا ہوں ملامت پھر بھی میں خوش ہوں
سراسر کفر ہے رنجیدہ ہونا میرے مسلک میں

مہ و خورشید کو جب تو ہی پہنچاتا ہے منزل پر
الٰہی پھر مرا محبوب بھی پہنچا دے تو، مجھ تک

سوائے غم کے کیا ہے عشق میں ناصح کا کہنا ہے
تو میں کہتا ہوں اس سے بڑھ کے بھی ہے کوئی شئے حضرت

دشمنوں کے کہنے میں آکر ہوا برگشتہ تو
اس طرح تو کوئی دشمن دوست کا ہوتا نہیں

وہ ہے میرے خوں کا پیاسا میں ہوں اس کے ہونٹ کا
دیکھئے تو مارتا ہے کون بازی، میں کہ وہ

کہوں گر تم سے تھامو پیالہ اور ساغر کا لب چومو
تو سن لو جانِ من اس سے بھی بہتر بات ہے کوئی

خرقہ پوشوں سے بچ کے رہئے گا
پھیرئے رخ نہ آپ رندوں سے

دانی کہ چیست دولت، دیدار یار دیدن
درکوئے او گدائی برخسروی گزیدن

ازجاں طمع بریدن آساں بودو لیکن
از دوستانِ جانی مشکل بود بریدن

کجا برتنگِ شکر دست یابد
گراندیشد مگس از بادِ بیزن

دلبرِ جانانِ من بُرد دل و جانِ من
بُرد دل و جانِ من دلبرِ جانانِ من

روضۂ رضوانِ من خاکِ سرِ کوے دوست
خاکِ سر کوی دوست روضۂ رضوان من

ایں دلِ حیرانِ من والہ وَ شیدائے تست
والہٗ و شیدائے تست ایں دلِ حیرانِ من

اگر فقیہہ نصیحت کند کہ مے مخورید
پیالۂ بدہش گو دماغ راتر کن

تو واقف ہے کہ کیا ہے یار کے دیدار کی دولت
گدائی اسکے کوچے کی شہنشاہی سے بڑھ کر ہے

جان سے اپنی دوست برداری تو آساں ہے مگر
دوستوں سے اپنے مشکل ہے تعلق توڑنا

اسے کس طرح حاصل ہو شکر
مگس ڈر جائے گر بادِ بزن سے

دلبر جاناں مرا لے گیا جان اور دل
لے گیا جان اور دل، دلبرِ جاناں مرا

روضۂ رضواں مرا ہے دوست کے کوچے کی خاک
دوست کے کوچے کی خاک ہے روضۂ رضواں مرا

یہ مرا حیران دل ہے والۂ و شیدا ترا
والۂ و شیدا ترا ہے یہ مرا حیران دل

اگر فقیہہ نصیحت کرے شراب نہ پی
پیالہ اس کو تھما دے کہ تر دماغ کرے

بزیرِ دلقِ ملمع کمند ہادارند
دراز دستیِ ایں کو تہ آستیناں بیں

در راہِ عشق فرقِ غنی و فقیر نیست
اے پادشاہِ حسن سخن باگدا بگو

بہشت اگرچہ نہ جائے گناہ گاراں ست
بیار بادہ کہ مستظہرم برحمتِ او

گفتا بروں شدی بتماشائے ماہِ نو
ازماہِ ابروانِ منت شرم نیست رو

ہر کہ در مزرعِ دل تخمِ وفا سبز نکرد
زرد روئی کشد از حاصل خود گاہِ درو

ازخونِ دل نو شتم نزدیکِ یارنامہ
اِنّي رَأَيـتُ دَهـرًا مِنْ هِجْرِكَ الْقِيَامَهْ

تاکہ کبوترِ دل چوں مرغِ نیم بسمل
باشدز تیرِ ہجرت درخاک و خوں طپیدہ

چھپی ہیں کتنی کمندیں قبائے رنگیں میں
دراز دستیِ کوتاہ آستیناں دیکھ

چھوٹے بڑے کا فرق نہیں عشق میں روا
اے بادشاہِ حسن فقیروں سے بات کر

جنت نہیں ہے گرچہ گنہ گاروں کے لئے
رحمت پہ اس کی مجھ کو بھروسہ ہے، لا شراب

میں ماہِ نو جو نکلا دیکھنے باہر، کہا اس نے
نکل جا، تو نہ آئی شرم تجھ کو ماہِ ابرو سے

جس نے کشتِ دل میں بویا ہی نہ ہو تخمِ وفا
فصل جب کاٹے گا اپنی، وہ خجل ہو جائے گا

خونِ دل سے خط لکھا ہے یار کو
ہجر کے دن کم قیامت سے نہیں

کبوتر دل کا مرغِ نیم بسمل کی طرح کب تک
تمہارے ہجر کے تیروں سے خاک وخوں میں تڑپے گا

پایم نمی رسد بزمیں دیگر از نشاط
تا سوئے من بلطف و عنایت تو دیدۂ

آفریں بر دلِ نرم تو کہ از بہر ثواب
کشتۂ غمزۂ خود را بنماز آمدۂ

منِ غریب زغیرت فتا دم از پادوش
نگارِ خویش چو دیدم بدستِ بیگانہ

مدہ بخاطرِ نازک ملالت از من راہ
کہ حافظ تو ہمیں لحظہ گفت بسم اللہ

ہر بد کہ گفت دشمن درِ حقِ ما شنیدی
یا رب کہ مدعی را بادا زباں بریدہ

از قولِ زاہد کردیم توبہ
دز فعلِ عابد استغفر اللہ

من رند و عاشق آنگاہ توبہ
استغفر اللہ استغفر اللہ

ٹکتے نہیں ہیں مارے خوشی کے زمیں پہ پاؤں
دیکھا ہے تو نے جب سے مجھے التفات سے

آفریں ہے نرم دل کو تیرے کہ بہرِ ثواب
پڑھنے آیا ہے نماز اپنے شہیدِ ناز کی

میں کل غریب شدتِ غیرت سے گر پڑا
معشوق اپنا غیر کے قبضے میں دیکھ کر

تو میرے واسطے رنجیدہ مت کر طبعِ نازک کو
کہ کہدی ہے اسی لمحہ ترے حافظؔ نے بسم اللہ

دشمن نے کی بُرائی جو میری تو نے سن لی
ہو جائے یا الٰہی دشمن زباں بریدہ

زاہد کی باتوں سے کی ہم نے توبہ
اور فعلِ عابد سے استغفراللہ

میں رند و عاشق اور کردوں توبہ
استغفراللہ استغفراللہ

نہ سرِ زلفِ خود اول بدستم داری
بازم از پائے دراندا ختۂ یعنی چہ

حافظ در دلِ تنگت چو فرود آید یار
خانہ از غیر نپر داختۂ یعنی چہ

نصیبِ من چو خرابات کردہ است اللہ
دریں میانہ بگو زاہد امراچہ گناہ

خدارا از طبیبِ من پرسید
کہ آخر کے شود ایں ناتواں توبہ

ہر چند کہ ہجراں ثمرِ وصل بر آرد
دہقانِ ازل کاش کہ ایں تخم نہ کشتے

اے گل تو کجاؤ روئے زیباش
اومشکِ تر و تو خار داری

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی
تارا ہر ونباشی تو کے راہبر شوی

کیا نہ دی تھی زلف اپنی تو نے میرے ہاتھ میں
پھر نہ جانے کیوں گرایا تو نے نظروں سے مجھے

تنگ دل میں تیرے کیسے یار آئے حافظ
کیوں نہ خالی کر لیا اس گھر کو تو نے غیر سے

خدا نے کر دیا میخانہ جب میرے مقدّر میں
تو اس میں جرم میرا کیا ہے اب تو ہی بتا زاہد

مسیحا سے خدارا میرے پوچھو
کہ آخر ہوگا کب بیمار اچھا

ہر چند کہ پھل وصل کا لاتی ہے جدائی
دہقانِ ازل کاش کہ یہ بیج نہ بوتا

کہاں پھول اور کہاں وہ روئے زیبا
ہے اس میں خار اور وہ مشک تر ہے

بے خبر سے باخبر کس طرح بن جائیں گے آپ
راہرو بنئے تو پہلے راہبر بنئے گا آپ

دائم گلِ ایں بستاں شاداب نمی ماند
دریاب ضعیفاں را در وقتِ توانائی

جائے کہ برقِ عصیاں بر آدمِ صفی زد
مارا چہ گو نہ زبید دعوائے بے گناہی

تاج شاہی طلبی گوہرِ ذاتی بنما
ور خود از گوہرِ جمشید و فریدوں باشی

اے دل بکوئے عشق گزارے نمی کنی
اسباب جمع داری و کارے نمی کنی

ایں خوں کہ موج می زندا ندر جگر چرا
در کارِ رنگ و بوئے نگارے نمی کنی

ترسم کزیں چمن نبری آستینِ گل
کز گلبنش تحملِ خارے نمی کنی

ہشدار کہ گرو سوسۂ عقل کنی گوش
آدم صفت از روضۂ رضواں بدر آئی

اس باغ کا گل ہر دم شاداب نہیں رہتا
کمزوروں کی دلجوئی کر وقتِ توانائی

جہاں پر برقِ عصیاں حضرتِ آدم پہ گرتی ہے
وہاں کیا زیب دے گا ہم کو دعویٰ بیگناہی کا

برائے تاجِ شاہی جوہرِ ذاتی ضروری ہے
اگرچہ نسل جمشید و فریدوں سے تعلق ہو

عشق کے کوچے میں اے دل تو گزرتا کیوں نہیں
تیرے پاس اسباب ہیں تو کام کرتا کیوں نہیں

یہ خون موجیں مارے گا آخر جگر میں کیوں
اس سے کسی حسیں کے نکھرنے کا کام لو!

میں ڈرتا ہوں ترا دامن بھرے گا کیسے پھولوں سے
خلش کانٹوں کی جب تجھ سے نہیں برداشت ہو سکتی

ہشیار! نہ آ، عقل کے بہکاوے میں ہرگز
ہو جائے گا آدم کی طرح خلد سے باہر

اے قصۂ بہشت زکویت حکایتے
شرحِ جمالِ حور زرویت روایتے

زالہ برلالہ است یا بر گل گلاب
یا بر آتش آب یا بر روت خوے

پردہ از رخ بر فگندی یک نظر درجلوہ گاہ
وزحیا حور و پری را در حجاب انداختی

دیدۂ ما کہ بامید دریاست چرا
بتفرج گزرے بر لبِ دریا نکنی

برتو گر جلوہ کند شاہدِ ما اے زاہد
از خدا جز معشوق وے تمنا نکنی

حافظؔ سجدہ محرابِ دو ابر ویش کن
کہ دعائے زسرِ صدق جز آنجا نکنی

ساغرِ ما کہ حریفانِ دگر می نوشند
ماتحمل نکنیم ار تو روامی داری

جنت کا قصہ کیا ترے کوچے کے سامنے
کیا حسنِ حور ہے ترے چہرے کے سامنے

اوس ہے لالہ پہ یا گل پر گلاب
تیرے چہرے پر پسینہ ہے کہ ہے پانی پہ آگ

رُخ سے پردہ کیا ہٹایا تو نے جلوہ گاہ میں
شرم سے حور و پری کو پانی پانی کر دیا

ہماری آنکھ تو تیری تمنا میں ہے اک دریا
لب دریا تو آتا کیوں نہیں تفریح کی خاطر

مرا معشوق تجھ کو گر دکھا دے جلوہ اے زاہد
بجز معشوق وے کے تو خدا سے کچھ نہ مانگے گا

اے حافظؔ سجدہ کر تو اس کی محرابِ دو ابرو میں
سوائے اس جگہ کے کر نہیں سکتا دعا دل سے

یہ ساغر جب ہمارا ہے تو دشمن کیوں پئیں اس کو
سمجھتا ہے تو جائز، ہم نہیں برداشت کر سکتے

تو بتقصیرِ خود افتادی ازیں در محروم
از کہ می نالی و فریاد چرامی داری

کامے ارمی طلبدار تو غریبے چہ شود
تو امروز دریں شہر کہ نامے داری

گو بہنگامِ وفا گرچہ ثباتت نبود
میکنم شکر کہ بر جور دوامے داری

اے دلِ خام طمع شرمے ازیں قصہ بدار
کار نا کردہ چہ اُمیدِ عطا می داری

حافظؔ عادتِ خوباں ہمہ جورست و جفا
تو کہ زیں طائفہ اُمیدِ وفا می داری

چوں پیر شدی حافظؔ از میکدہ بیروں شو
رندی و ہوسناکی در عہدِ شباب اولیٰ

دردِ دل ریشم راں چوں نیست دوا پیدا
لطفے کن و درمانش فرما کہ توی دانی

اگر اس در سے ہے محروم تو ہے تیری کوتاہی
تو کس سے نالہ کرتا ہے تو کیوں فریاد کرتا ہے

اگر کوئی مسافر مانگ لے تجھ سے مراد اپنی
تو کیا ہے آج تیری ہی تو ہے اس شہر میں شہرت

نہیں ثابت قدم گرچہ وفا پر
ستم پر تو ہے قائم، شکر تیرا

اے طمعِ خام کرنیوالے دل غیرت بھی اک شئے ہے
ہے کرنی کچھ نہیں لیکن ہے اُمیدِ عطا تجھ کو

سراسر ظلم اے حافظؔ حسینوں کی تو عادت ہے
تو اُمیدِ وفا رکھتا ہی کیوں ہے اس جماعت سے

جب پیر ہوا حافظؔ جا میکدے سے باہر
رندی و ہوسناکی بہتر ہے جوانی میں

جب نہیں کوئی دوا میرے دلِ مجروح کی
کر دے تو ہی مہربانی جانتا ہے تو علاج

زشوق افشاندمے ہر دم سرے در پائے جانانم
دریغا گر متاعِ من از ایں مختصر بودے

گر خرقۂ بنی مشغولِ کارِ خود باش
ہر قبلۂ کہ باشد مشغولِ خود پرستی

اگر دلم نشدے پائے بندِ طرّۂ او
کیم قرار دریں تیرہ خاکداں بودے

پرہیز از من اے صوفی پرہیز
کہ کردم توبہ از پرہیزگاری

بیا دل و زخم گیسوئے او بند
اگر خواہی خلاص دستگاری

بوقتِ گل خدارا توبہ بشکن
کہ عہدِ گل ندارد استواری

بتا با ما گذار ایں کینہ داری
کہ حقِ صحبتِ دیرینہ داری

میں کرتا ہر گھڑی قربان اک سرِ پائے جاناں پر
مجھے افسوس ہے پونجی مری ہے مختصر اتنی

اگر دیکھے تو خرقۂ کوئی، اپنے کام میں لگ جا
جو قبلہ ہے وہ رہتا ہے بس اپنی خود پرستی میں

یہ میرا دل تو ہے بس اس کی زلف ناز میں اٹکا
وگرنہ اس اندھیرے خاکداں میں کام کیا میرا

ذرا رہنا اے صوفی بچ کے مجھ سے
کہ میں نے چھوڑ دی پرہیز گاری

خمِ گیسو میں اس کے باندھ دے دل
رہائی کی اگر خواہش ہے تجھ کو

ہے موسم گل کا توبہ توڑ ڈالو
کہ ہے بس چند روزہ موسمِ گل

مرے محبوب کینہ رکھ نہ مجھ سے
کہ میری دوستی کا تجھ پہ حق ہے

کسے کو فاضل ست امروز در دہر
نمی بیند زغم یکدم رہائی

کسے کو جاہل ست اندر تنعم
متاعِ او بود ہر دم بہائی

جاں فدائے تو کہ ہم جانی و ہم جانانی
ہر کہ شد خاکِ درت رُست زسر گردانی

تابماند تر و شاداب نہاں قدِ تو
واجب آنست کہ بردیدۂ مابنشانی

چوسرو گر بخرامی دمے بگزارے
خورد زغیرتِ روئے تو ہر گلے خارے

نثارِ خاکِ رہت نقدِ جانِ ماہر چند
کہ نیست نقدِ رواں رابرِ تو مقدارے

خورشید در ہوائے تو چوں ذرّۂ پائے کوب
جمشید در حریمِ تو چوں بندگاں بپائے

زمانے میں جو ہیں اہلِ فضیلت
نہیں پاتے ہیں وہ غم سے رہائی

جو ہے جاہل مزے میں بس وہی ہے
ہر اک سامان اس کا قیمتی ہے

فدا ہے جان میری تجھ پہ تو جاں بھی جاناں بھی
بنا جو تیرے در کی خاک اس کو کیا پریشانی

رہے شاداب تیرے قد کا پودا
مری آنکھوں پر گر اس کو لگا دے

اگر کچھ دیر ٹہلو سرو کی مانند گلشن میں
تمہارے چہرے کی غیرت سے ہر گل خار کھائے گا

تمہاری خاکِ رہ پہ نقد جاں قربان ہے میری
اگرچہ نقدِ جاں کی قدر تم بالکل نہیں کرتے

ہے تیرے عشق میں خورشید ذرے کی طرح رقصاں
غلاموں کی طرح جمشید ہے تیرے احاطے میں

آرزو میکندم از تو چه پنہاں دارم
شیشۂ بادہ و کنجے و رخِ زیبائے

در کوئے عشق شوکتِ شاہی نمی خرند
اقرارِ بندگی کن و دعوائے چاکری

سلطان و فکرِ لشکر و سودائے تاج و گنج
درویش دامنِ خاطر و کنجِ قلندری

گر بر حساب روز جزا مطلّع شوی
درویشی اختیار کنی برتو نگری

عہد کر دم کہ دگر خونِ دلِ خودنخورم
مگر از دستِ حریفے صنمے رعنائے

بر آنکہ کنج قناعت بگنجِ دنیا داد
فروخت یوسفِ مصری بکمتریں ثمنے

ازیں سموم کہ بر طرفِ بوستاں بگذشت
عجب کہ رنگ گلے ماند و بوئے یا سمنے

تمنا اپنی تجھ سے کیا چھپاؤں
ہو تنہائی، رخِ زیبا و بادہ

عشق کے کوچے میں شاہی دبدبہ بیکار ہے
اعترافِ بندگی بس کام آتی ہے یہاں

فکرِ گنج و تاج و لشکر ہے اگر سلطاں ہے تو
ہے سکونِ قلب حاصل تو اگر درویش ہے

اگر روزِ جزا کا تجھ کو کچھ احساس ہو جائے
امیری سے بڑا رتبہ تو سمجھے گا فقیری کا

کیا تھا عہد میں نے اپنے دل کا خوں نہ پینے کا
کروں کیا جب پلائے ہاتھ سے اپنے بتِ رعنا

دیا کنجِ قناعت، گنجِ دنیا کے عوض جس نے
تو گویا اس نے کم داموں میں بیچا یوسف مصری

چلی ہے باغ کی جانب جواب کے بادِ سموم
تو بوئے یاسمن و رنگِ گل کی خیر نہیں

مزاجِ دہر بتر شد دریں بلا آرے
کجاست فکر حکیمے درائے برہمنے

شنیدہ ام کہ سگاراں قلادہ می بندی
چرا بگردنِ حافظؔ نمی کنی رسنے

بس گل شگفتہ می شود ایں باغ راولے
کس بے جفائے خار نچیدست ازو گلے

دین و دل رفت ولے راست نمی آرم گفت
کہ منِ سوختہ دل را تو بسراں میداری

مرغِ زیرک بدرِ صومعہ اکنوں نپرد
کہ نہادہ است بہر مجلسِ وعظے دامے

حافظؔ دگرچہ می طلبی از نعیمِ دہر
مے می چشی و طرّہِ دلداری کشی

بہ بستاں رو کہ از بلبل طریق عشق گیری یاد
بمجلس آئی کز حافظؔ سخن گفتن بیا موزی

مزاجِ دہر ہے بگڑا اور اس مصیبت میں
کہاں ہے رائے برہمن کی اور فکرِ حکیم

سنا ہے یہ تو کتوں کے پٹہ ڈال دیتا ہے
تو رسی باندھ کیوں دیتا نہیں حافظؔ کی گردن میں

کمی کیا گلستاں میں پھولوں کی، لیکن
تمہیں انگنت پہلے کانٹے ملیں گے

دل و دیں ہو گیا برباد لیکن کہہ نہیں سکتا
کہ ایسی باتوں پر تم نے کیا ہے مجھ کو آمادہ

عبادت خانے کے در پر اُڑے کیوں طائرِ زیرک
لگے ہوتے ہیں اس میں جال یہ معلوم ہے اس کو

نعمتِ دنیا سے حافظؔ تجھ کو اب کیا چاہیے
ہاتھ میں ساغر بھی ہے، معشوق کی زلفیں بھی ہیں

طریقہ عشق کا بلبل سے سیکھو باغ میں جا کر
سلیقہ گفتگو کا سیکھ لو تم آ کے حافظؔ سے

روئے جاناں طلبی آئینہ را قابل سازی
ورنہ ہرگز گل و نسریں ندمد ز آہن و روی

فردا شرابِ کوثر و حور از برائے ماست
و امروز نیز دلبرِ مہ روی و جامِ مے

گر انگشتِ سلیمانی نبا شد
چہ خاصیت دہد نقشِ نگینے

خدا از آں خرقہ بیزارست صد بار
کہ صد بت باشدش در آستینے

کجا یابم وصالِ چوں تو شاہے
منِ بدنام رندِ لا ابالی

مکن حافظ از جورِ گردوں شکایت
چہ دانی تو اے بندہ کارِ خدائی

وصالِ دوستاں چوں روزیِ ماست
مگر واعظ سخنہائے فراقی

طلب ہے یار کے رخ کی، بنا آئینہ اس قابل
گل ونسریں نہیں اگتے ہیں لوہے اور کانسے سے

ملے گی ہم کو تو کل بھی شرابِ کوثر و حور
اور آج بھی ہمیں معشوق و جام حاصل ہیں

سلیمانی نہ ہو انگشت جب تک
بذاتِ خود نگینہ کچھ نہیں ہے

خدا بیزار اس خرقے سے ہوگا
ہوں بت پوشیدہ جس کی آستیں میں

مجھے حاصل ہو تیرا وصل کیسے
میں ہوں بدنام رندِ لا ابالی

شکایت نہ کر جورِ گردوں کی حافظؔ
اے بندے تو کیا جانے کارِ خدائی

وصالِ دوستاں قسمت ہے میری
جدائی کی نہ کر باتیں اے واعظ

آدمِ خاکی بدیں عالم نمی آید بدست
عالمے دیگر بباید ساخت از نو آدمے

زندگی یافتم زمے آرے
ومن الماء کل شیٍ حے

شہریست پُر ظریفاں از ہر طرف نگارے
یاراں صلائے عشق ست ار میکنید کارے

چومستعدِ نظر نیستی وصال مجوی
کہ جامِ جسم ندہد سود وقتِ بے بصری

ز وصفِ حسنِ تو حافظؔ چگونہ نطق زند
کہ چوں صفاتِ الٰہی و رائے ادراکی

بکشائی تیر مژگاں و بریز خونِ حافظؔ
کہ چناں کشندۂ رانکشد کس انتقامے

حافظؔ بجفا از تو شکایت ننماید
ز آں رو کہ بہر جورِ تو لطفیست نہانی

آدمِ خاکی کہاں ملتا ہے اس دنیا میں اب
اک نئے آدم سے یہ عالم بنانا چاہیے

زیست میں نے شراب سے پائی
زندہ ہر شئے یہاں ہے پانی سے

ہے شہر پُر ظریفوں سے ہر سو ہے اک نگار
یارو صلائے عشق ہے کچھ کام تو کرو

جب نہیں تاب نظر کرتے ہوں کیوں خواہشِ وصل
جامِ جم کیا کوئی اندھوں کے بھی کام آتا ہے

خوبیِ حسن کیا تری حافظؔ بیاں کرے
مثلِ صفات باری ہے ادراک سے پرے

ہاں چلا دے تیرِ مژگاں تو، بہا دے خونِ حافظؔ
نہیں لیتا بدلہ کوئی تیرے جیسے قاتلوں سے

حافظ ترے ستم کی کرتا نہیں شکایت
ہر ظلم میں ہے تیرے پوشیدہ مہربانی

نہ رازش می توانم گفت باکس
نہ کس رامی توانم دید با دے

بنا شد ہیچ عاشق ہمچو حافظؔ
فقیرے، بیکسے، بے اعتبارے

امروز کہ بازارت پُرجوشِ خریدارست
دریاب و بنہ گنجے از مایۂ نیکوئی

دل بے بربند تا مردانہ وار
گردنِ سالوس و تقویٰ بشکنی

دلبر بہ عشق بازی خونم حلال دانست
فتوائے عشق چونست اے زمرۂ موالی

کسی سے کہہ نہیں سکتا ہوں اس کا راز میں ہرگز
کسی کو دیکھ بھی سکتا نہیں ہوں ساتھ میں اس کے

نہ ہوگا مثلِ حافظؔ کوئی عاشق
فقیر و بیکس و ناقدر ایسا!

چاہنے والوں سے تیرے گرم ہے بازار آج
کر خزانہ جمع نیکی کا، غنیمت جان اسے

دل لگامے سے کہ تو مردانہ وار
مکر اور تقویٰ کی گردن توڑ دے

معشوق جانتا ہے خوں کو حلال میرے
کیا عشق کا ہے فتویٰ اے زمرۂ موالی

احسن مفتاحی اور ان کی شاعری

احسن مفتاحی اُردو کے ایک حساس طبیعت اور خوش گو شاعر ہیں۔ ان کی حساس طبیعت ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ انہوں نے درسِ نظامیہ کی تعلیم اور جاگیردارانہ ماحول میں تربیت پانے کے باوجود ترقی پسند ادب کی تحریک سے شعوری طور پر اثر قبول کیا اور اپنے مشاہدات و محسوسات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ان کی بہترین شاعری کا تعلق روایت سے صرف اس قدر ہے کہ انہوں نے غزل گوئی کو اپنا شعار بنایا لیکن ان کی غزلیہ شاعری بھی غزل کے تمام آداب کو برقرار رکھتے ہوئے، گرد و پیش کی دنیا کو نظر انداز نہیں کرتی بلکہ اسی کی عکاسی اور ترجمانی بہت ہی لطیف پیرائے میں کرتی ہے۔ یہی اُن کی شاعری کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ان کی غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے :

تپتا ہوا سورج ہے کھڑا سر پہ ہمارے — اور ہم ہیں کہ زلفوں سے گھٹا مانگ رہے ہیں

رہزن ہیں بنے راہ نما، دیکھتے رہنا — گم کر نہ دیں منزل کا پتہ دیکھتے رہنا

خوشامدوں میں نہیں عظمتِ وفا یارو — اگر ضمیر ہے بیدار، آؤ سچ بولیں

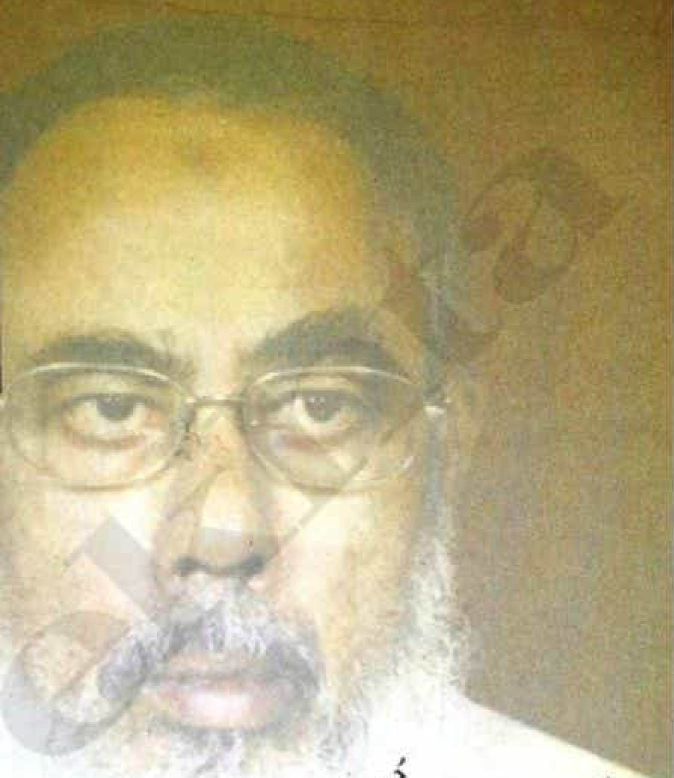
دامنِ زرگری چاک ہونے کو ہے — جاگ اُٹھے زید و بکر و عمر دوستو

فارسی کی تعلیم اور فارسی شاعری سے شغف ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی دین ہے، جسے انہوں نے اپنے ذوق اور کاوش سے اور جلا دی ہے۔ فارسی شاعری کا انہوں نے اچھا مطالعہ کیا ہے اور فارسی کے ممتاز غزل گو حافظ شیرازی کے کلام پر اچھی نظر رکھتے ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ انہوں نے حافظ کی غزلیات کا اُردو ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ اور وہ بھی شعر کا، کسی طرح جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا لیکن فارسی اور کلاسیکی اُردو شاعری کے مزاج اس قدر ملتے جلتے ہوئے ہیں کہ فارسی کلام کے محاسن کو اُردو شعر میں ڈھال دینا صاحبِ ذوق کے لئے کچھ ایسا ناممکن بھی نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احسن مفتاحی نے یہ کام بڑی محنت سے کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ کلامِ حافظ کا یہ منظوم ترجمہ اس زمانے میں خاص طور سے بہت اہمیت رکھتا ہے، اس لئے کہ فارسی جاننے والوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے اور فارسی ادب سے عدم واقفیت اُردو شاعری کے ایک اہم سرچشمے سے عدم واقفیت کے مترادف ہے۔ ظاہر ہے کہ ان ترجموں کو اصل کا بدل تو نہیں کہا جا سکتا اور جو لوگ اصل فارسی کلام سے واقف ہیں، ان کی پوری تشفی کسی بھی ترجمے سے ہونی مشکل ہے لیکن وہ بھی یہ ضرور محسوس کریں گے کہ ان ترجموں میں خواجہ شیراز کے کلام کی رُوح، ان کے احساسات کی شگفتگی، ان کے طنز کی ملاحت، ان کی تشبیہوں اور استعاروں کی نزاکت، ان کے انداز کی بلاغت بڑی حد تک قائم ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ احسن مفتاحی نے لفظی ترجمہ کرنے سے حتی الامکان احتراز کیا ہے، اسی لئے "قندِ شیراز" کا بیش تر حصہ اچھے شعری نمونوں پر مشتمل ہے۔ احسن مفتاحی نے حافظ کے کلام کا انتخاب کرنے میں بھی بڑی وسیع النظری سے کام لیا ہے اور قارئین کے سامنے انہوں نے حافظ کی کوئی یک رنگی تصویر نہیں پیش کی بلکہ انتخاب میں کلیات کے تنوع اور رنگارنگی کو نبھانے کی بھی پوری کوشش کی ہے۔

مقیم الدین فاروقی

(دہلی، ۱۹۷۶ء)





نام : حسین احمد

قلمی نام : اَحسن مفتاحی

تاریخ پیدائش : ۸/ ستمبر ۱۹۳۸ء

جائے پیدائش : مئو ناتھ بھنجن (یوپی)

تعلیم : مفتاح العلوم سے فراغت

پیشہ : صحافت

چیف ایڈیٹر : ہفت روزہ ''نئی صدی'' کولکاتا

سابق نائب ایڈیٹر : روزنامہ ''اخبار مشرق'' کولکاتا

وابستگی : جمعیۃ علماء ہند (نئی دہلی) انجمن ترقی اردو (مغربی بنگال) بزم ادب، رشرا

مستقل سکونت : اے/۱۱/اے/۱۱، پی۔ کے۔ داس لین، رشڑا، ہگلی، فون ۶۷۲ ۴۸۵۹

ناشر مژگاں پبلی کیشنز ۸۵/ بے توپسیا روڈ، کولکاتا۔ ۳۹